فہرست

رجب المرجب ۱۴۲۸ھ اگست ۲۰۰۷ء

سانحہ لال مسجد و جامعہ حفصہ	مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم	3
حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب رحمہ اللہ	// // //	5
مولانا قاری عبدالرؤف تھانوی مرحوم	// // //	//
درس قرآن کریم	// // //	8
درس حدیث	شیخ الاسلام حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ	10
ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ	حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ	12
پاکستان کا پس منظر	فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ	14
شرعی ضابطہ رؤیت اور ہلال کمیٹی کی شرعی حیثیت	// // //	17
مذاکرات کیوں ناکام ہوئے؟	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم	23
مکتوب گرامی بنام حامد میر صاحب	// // //	36
خصوصیات اسم محمد ﷺ	مولوی عابد محمود حقانی	40
تواریخ وفات مولانا قاری عبدالرؤف تھانوی مرحوم ..	مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی لاہور	43
تعارف وتبصرہ	سید عبدالناصر ترمذی، عابد محمود حقانی	44

☆☆☆☆☆☆☆

خط وکتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

فون : 048-6786002/6786899 E-mail-alhaqqania@yahoo.com

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی **پرنٹر:** جناب محمد منیر صاحب فائن پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سانحہ لال مسجد و جامعہ حفصہ

۱۰ر جولائی ۲۰۰۷ء کو طلوع ہونے والی صبح مسلمانان پاکستان کیلئے بالعموم اور اسلام آباد کے رہنے والے حضرات کیلئے بالخصوص قیامت کی صبح سے کم نہ تھی، جب ایک مطلق العنان حکمران نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں محصور ہزاروں مسلمان طلبہ و طالبات کو ختم کرنے کا حکم دیا جس کے نتیجہ میں مسلمان ملک کی مسلمان ملٹری نے لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر گولیوں کی بارش برسادی اور نہایت بے دردی سے سینکڑوں طلبہ و طالبات اور جناب مولانا عبدالرشید غازی شہید رحمۃ اللہ علیہ سمیت ان کے رفقاء کو شہید کر ڈالا، اس خاموش حکومتی آپریشن کے ذریعہ جس طرح مسجد و مدرسہ کے تقدس کو پامال کیا گیا اور مسلمان فوج نے جس بے رحمی سے سینکڑوں مسلمانوں کی جان لی اور پھر قرآن اور حدیث شریف کے نسخوں کو نذر آتش کیا پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، طاقت کے بے دریغ استعمال اور سنگدلی اور سفاکیت کے اس مظاہرے نے قوم کے دلوں کو بری طرح مجروح کیا ہے، پوری قوم اس اندوہناک اور سنگین واقعہ پر رنج و غم کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور پورے ملک میں اس پر شدید احتجاج اور ردعمل ہو رہا ہے، کوئی مسلمان بلکہ کوئی انسان بھی اس آپریشن کی تائید نہیں کر سکتا سوائے ان لوگوں کے جو انسانیت کے قاتل اور دین اسلام کے دشمن ہوں، اگر ان کی طرف سے اس حادثہ پر خوشی کا اظہار ہو تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔

موجودہ حکومت نے پاکستان کی تاریخ میں اس اقدام سے جس سیاہ ترین باب کا اضافہ کیا ہے مسلمان قوم اسے کبھی نہیں بھول سکے گی، امید ہے کہ ان معصوم جانوں اور مظلوم مسلمانوں کا خون ہرگز رائیگاں نہیں جائیگا بلکہ اس سے تاریخ کا ایک نیا باب رقم ہوگا اور جن مقاصد کے حصول کیلئے ان حضرات نے جان دی ہے ان کی شہادت سے ان کے حصول کی راہ ہموار ہوگی، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حادثہ میں شہید ہونے والے مسلمان طلبہ طالبات اور علماء کرام کے درجات بلند فرماویں اور ان کی یہ شہادت وطن عزیز پاکستان میں نفاذ اسلام کا ذریعہ بن جائے آمین، تمام شہداء کے پسماندگان کو بھی حق تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق عطا فرماویں اور ان کو ہر قسم کی پریشانیوں سے نجات دیں اور ان کی جان، مال، عزت کی حفاظت فرماویں، آمین۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا قضیہ اور مسئلہ مذاکرات کے ذریعہ حل ہو سکتا

تھا، اس کے حل کیلئے کسی بھی آپریشن اور کشت وخون کی ہرگز ضرورت نہ تھی، مذاکرات کے پرامن حل کو دانستہ نظر انداز کر کے حکومت نے امریکہ کے ایجنڈا کو پورا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے مدارس اور مساجد اور علماء کرام کے خلاف ایک عرصہ سے یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ یہ دہشت گرد ہیں، نام نہاد روشن خیالی اور امریکہ نوازی کا تقاضا ہے کہ انہیں ختم کر دیا جائے، موجودہ آپریشن بھی اسی مکروہ پروپیگنڈے اور ناپاک سازش کا ایک حصہ ہے، دنیا نے دیکھ لیا کہ مساجد و مدارس نہ دہشت گردی کے اڈے ہیں اور نہ ہی لال مسجد کی انتظامیہ نے دہشت گردی کا کوئی پروگرام تشکیل دیا تھا بلکہ غازی برادران کی ساری جدوجہد مدارس و مساجد کے تحفظ اور انسداد فحاشی نیز نفاذ اسلام کیلئے تھی، اس کے سوا ان کا کوئی مقصد نہ تھا، ان حضرات کے طریقہ کار سے اگرچہ اختلاف کیا جاتا رہا لیکن مقاصد سے کسی کو بھی اختلاف نہ تھا اور نہ ہی کسی بھی ذی عقل کو ان مقاصد سے اختلاف ہوسکتا ہے، کیونکہ فحاشی کے اڈوں کے خاتمے کا مطالبہ، حقوق نسواں بل کی واپسی، شہید مساجد کی دوبارہ تعمیر اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ آئین، قانون اور مذہب کے عین مطابق ہے، یہ حضرات کوئی قاتل یا ڈاکو نہ تھے، ان کا قصور صرف یہی تھا کہ وہ حق کی آواز بلند کر رہے تھے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر جناب حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مفتی اعظم حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب، حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہم کے بیان کے مطابق یہ حضرات فریقین کو ایک معاہدہ پر رضامند کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن ایوان صدر نے اس معاہدہ کو مسترد کر دیا اور یوں بے گناہوں کے ناحق خون سے مسجد و مدرسہ کے در و دیوار کو رنگین کیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لال مسجد و جامعہ حفصہ کے اس عظیم سانحہ کی تمام تر ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ یہ بات اگرچہ واضح ہے تاہم ضروری ہے کہ اس کی عدالتی تحقیقات کرائی جائیں اور مجرمین کو قرار واقعی سزا دی جائے، اب جبکہ چیف جسٹس صاحب بحال ہو چکے ہیں اور ملک کے دانشور طبقہ کے بقول پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ انصاف ہوا ہے اور قانون کی بالادستی کو تسلیم کر لیا گیا ہے، اگر یہ بات صحیح ہے کہ اب انصاف کا آغاز ہو چکا ہے تو پھر اس المناک سانحہ میں ملوث افراد کو قرار واقعی سزا ملنے کی توقع بھی کی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ جلد وہ انصاف کا دن لائیں جس میں مجرمین کو عبرتناک سزا ملے اور پھر کسی ظالم کو اس طرح خانہ خدا اور دینی ادارہ نیز معصوم مسلمان طلبہ طالبات پر گولیاں برسانے کی جرأت نہ ہو۔

حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب رحمہ اللہ

ماہنامہ الخیر ملتان میں یہ خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ خیر العلوم خیر پور ٹامیوالی بھی ۱۸ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ بمطابق ۴ر جولائی ۲۰۰۷ء کو انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی زیارت اکثر جامعہ خیر المدارس ملتان میں ہوتی رہی، جامعہ کے سالانہ جلسے اور شوریٰ کے اجلاس میں آپ پابندی سے شرکت فرماتے تھے، احقر حضرت والد گرامی قدس سرہ کے ساتھ بچپن سے ہی جامعہ میں حاضر ہوتا رہا اس لئے بہت سے بزرگوں کی زیارت وہاں نصیب ہوئی، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نہایت جید الاستعداد، فاضل اور قابل مدرس تھے فتویٰ میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی، ریاست بہاولپور میں آپ نمایاں مقام کے حامل تھے۔

دورہ حدیث شریف آپ نے دارالعلوم دیوبند میں کیا جبکہ تکمیل حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ سے کی، آپ حضرت کے مایہ ناز شاگرد اور معتمد خاص تھے، آپ کو حضرت اقدس اور آپ کے جامعہ سے بے حد محبت تھی، حضرت الاستاذ کے لگائے ہوئے اس چمن کی ہمیشہ آبیاری کرتے رہے اور وفاداری کا حق ادا کر دیا جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

تکمیل کے بعد تقریباً پون صدی علمی و دینی خدمات سرانجام دیتے رہے، آپ جامع الکمالات ہونے کے باوجود انتہائی سادہ، متواضع اور حسن خلق کا پیکر تھے۔

گزشتہ سال شوال کے اجلاس میں حضرت اقدس مولانا عبید اللہ صاحب القاسمی مدظلہم اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ دونوں جمع تھے، چونکہ یہ دونوں حضرات دورہ حدیث شریف کے ساتھی ہیں، حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے ہر کتاب کا افتتاح حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ سے کرایا، احقر نے بخاری شریف کے افتتاح کے بارہ میں استفسار کیا تو حضرت مہتمم صاحب مدظلہم نے پورا واقعہ سنایا اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے بھی تصدیق کرائی۔

دونوں حضرات کے جمع ہونے سے سب حضرات کو بے حد خوشی ہوئی لیکن افسوس! کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے یہ آخری ملاقات ثابت ہوئی، اللہ تعالیٰ درجات بلند فرماویں اور پسماندگان کو اجر وصبر سے نوازیں اور ان کے فیض کو قیامت تک جاری رکھیں، آمین۔

قتل کی علت اسلام کے بعد کفر ہی ہوگا اور من بدل دینہ میں دین سے مراد دین اسلام ہی ہوگا، واضح ہوگیا کہ دین سے مراد دین اسلام ہے اور اس کے ترک کرنے پر قتل کی سزا جاری کرنے کا حکم اس حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ میں دیا گیا ہے۔

ہماری اس تحریر میں بھی حدیث (۵) میں حضرت عثمان سے روایت کے الفاظ و کفر بعد اسلام ہیں اس سے بھی اچھی طرح وضاحت ہورہی ہے کہ تبدیل دین سے مراد اسلام کو بدلنا ہے، اس لئے اگر کوئی شخص یہودیت سے نصرانیت یا بالعکس یا مجوسیت وغیرہ کو اختیار کرتا ہے تو اس پر اس سزا کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ الکفر ملۃ واحدۃ کے قاعدہ سے وہ سب ایک ہی مذہب پر ہیں، قرآن کریم نے ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن (پ۲۱) (اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا تم میں سے بعض کافر اور بعض مومن ہیں) میں صرف دو گروہوں کا ذکر فرمایا ہے ایک کو مومن اور مقابلہ میں مختلف مذاہب کے تمام لوگوں کو کافر قرار دیا ہے، قرآن کریم کی نگاہ میں کافر و مومن کی ثنائی تقسیم میں تمام مذاہب عالم محصور ہیں اور مومن کے مقابلہ میں سب کافر کہلانے کے مستحق ہیں اگرچہ رسمی اور اسمی طور پر وہ دین کہلاتے ہوں۔

قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد من بدل دینہ فاقتلوہ کا مطلب سمجھنے میں کسی قسم کی گنجلک باقی نہیں رہتی، ظاہر ہے کہ متکلم اور آمر (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) جس دین اسلام پر قائم ہے اور جس کا وہ داعی ہے اسی کے تبدیل کرنے پر ہی وہ سزا تجویز کرے گا، اور اس کی مراد وہی دین ہوگا جس کو وہ دین سمجھتا ہے، دوسرا دین جب اس کی نظر میں سرے سے دین ہی کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ اس کے نزدیک وہ کفر ہے تو وہ اس کے تبدیل کرنے کو جرم کیوں قرار دے گا اور کسی یہودی کے نصرانیت یا مجوسیت یا بالعکس کسی مذہب کو اختیار کرنے پر سزائے قتل کیوں تجویز کرے گا؟ ظاہر ہے کہ حدیث کا ایسا مفہوم لینا جو مراد متکلم کے خلاف ہو کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا بلکہ یہ کلام کی تحریف اور مراد متکلم کو تبدیل کرنے کے مترادف ہوگا۔

غرضیکہ اس حدیث زیر بحث میں جس دین کے تبدیل کرنے پر سزائے قتل کا حکم دیا گیا ہے وہ دین یقیناً خاص دین اسلام ہے اسی کے بدلنے پر یہ سزا قتل جاری کی جائے گی۔ دین میں عموم مراد نہیں ہے کہ اسلام اور غیر اسلام کو شامل ہو اور یہ کہا جائے کہ اس حدیث کے عموم سے تو ہر دین کے بدلنے پر سزائے قتل کا حکم ثابت ہورہا ہے کیونکہ شارع علیہ السلام کی نظر میں اسلام کے سوا کوئی دین دین کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے اور اسلام کے سوا جو شخص کسی دوسرے دین کو اختیار کرے گا وہ اس کے نزدیک قبول نہیں ہے

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الاخرة من الخسرین (پ۳رکوع ۱۷) جو شخص اسلام کے سوا کسی دین کو چاہے وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ میں ہوگا۔

ایک اور شبہ کا جواب

ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ ثبوت ارتداد کے بعد مرتد کو قتل ہی کرنا چاہئے توبہ کرنے سے بھی اس کا قتل ساقط نہیں ہونا چاہئے تھا جیسا کہ تمام حدود کا یہی حکم ہے کہ بعد ثبوت کے توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔ جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ وجوب قتل کے بعد توبہ سے بھی وہ ساقط نہ ہوتا جیسا کہ باقی حدود کا یہی حکم ہے مگر نصوص کی وجہ سے اس قیاس پر عمل ترک کر دیا گیا، قرآن کریم میں ہے قل للذین کفروا ان ینتهوا یغفر لهم ما قد سلف تو کہہ دے کافروں کو کہ اگر وہ باز آ جائیں تو معاف ہوان کو جو کچھ ہو چکا، اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الاسلام یجب ما قبله اسلام مٹا دیتا ہے پہلے کے گناہ کو، اور یہ ہر کافر کیلئے عام ہے مرتد بھی اس میں شامل ہے (رسائل ابن عابدین ص ۳۱۹) اور عقلی وجہ اس کی یہ ہے کہ مرتد کا قتل صرف ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ ارتداد اور بقاء علی الکفر دونوں کی وجہ سے ہے قتل المرتد لم یجب لخصوص (الردة) بل وجب بها ولارادة البقاء علی الکفر، والعلة ذات الجزء ین تنتفی بانتفاء احدهما فلا تبقی الردة موجبة للقتل وحدها بعد العود الی الاسلام لان القتل جزاء الفعلین معا (۲/۳۱۹) خلاصہ مطلب یہ ہے کہ علت کے دو جزؤں میں سے اگر ایک جزء بھی منتفی ہو جائے تو علت منتفی ہو جاتی ہے اور اسلام لانے سے جزء علت منتفی ہو گیا اس لئے علت قتل ہی باقی نہیں رہی، اور من بدل دینه فاقتلوه کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ دین کو بدلنے والا رہے اس کو قتل کر دو کیونکہ علت قتل تبدیل دین ہے اس لئے کہ قتل کو تبدیل دین پر معلق کیا گیا ہے وتعلیق الحکم علی الوصف یشعر بان الوصف هو العلة وعلق فی الحدیث علی التبدیل فاقتضی انه علة الحکم وبالاسلام تزول علة القتل لان معنی فاقتلوه ای ما دام مبدلا لدینه لما علمت من اتفاق جمهور الائمة علی قبول توبة المرتد ودرء القتل عنه بالاسلام (۲/۳۲۰) مطلب یہ ہے کہ کسی وصف پر حکم کو معلق کرنے سے اس وصف کا علت ہونا معلوم ہوتا ہے، اس حدیث میں تبدیل دین پر قتل کو معلق کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ تبدیل دین علت قتل ہے اور اسلام قبول کرنے سے قتل کی علت زائل ہو جاتی ہے اس لئے قتل کا حکم بھی نہیں رہتا۔ (جاری ہے)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

پاکستان کیا ہے؟

(۱) پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے جس کا سادہ مطلب یہ ہے کہ جن صوبوں میں مسلم قوم کی اکثریت ہے وہاں اس کی آزاد حکومت قائم ہو، آگے وہاں کے دستور و آئین کی تشکیل کس نوعیت کی ہوگی یہ وہاں کے احوال وظروف کی مناسبت سے اہل حل وعقد کی مشاورت کے بعد وقت پر بروئے کار آئے گی اور وہاں کی اکثریت اس بارے میں اپنی قدرت کی حد تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مکمل ترین قانون عدل وحکمت اور خاتم الانبیاء کے اسوۂ حسنہ سے استنارہ واستفادہ کی پوری سعی کرے گی (انوار عثمانی ص ۱۳۹)

(۲) جمعیت دہلی کے فارمولا میں ہندوؤں کی غلامی سے نجات نہیں ہے، جمعیت العلماء کے فارمولا کے موافق مرکز سے جو امور مہمہ متعلق ہوں گے ان میں مسلم قوم محض اکثریت کے رحم وکرم پر رہے گی اور کوئی آزاد طاقت یہاں ایسی نہ ہوگی جو ان کو عام مسلم مطالبات کے ماننے پر مجبور کردے (انوار عثمانی ص ۱۳۹)

حکومت الٰہیہ کے نصب العین سے کون مسلمان انکار کرسکتا ہے، اگر تشریعی حکومت مراد ہے تو یہ حکومت الٰہیہ ہم سردست ہندوستان میں کس جگہ قائم کریں گے؟ کیا ہندو مسلم کی مخلوط حکومت میں جہاں ایک اور تین چوتھائی کی نسبت ہوگی ظاہر ہے کہ یہ صورت حکومت الٰہیہ کی نہیں ہوسکتی، اس لئے ضرورت ہے کہ کوئی وسیع خطہ پہلے ہم ایسا حاصل کرلیں جہاں حکومت الٰہیہ قائم کرسکیں، اب اگر پاکستان کا فیصلہ ہوجائے تو وہ ایک ایسی جگہ ہوگی جہاں قانون سازی کی طاقت مسلم اکثریت کے پاس رہے گی، لیگ کے موجودہ قائدین بھی بارہا اعلان کررہے ہیں کہ پاکستان میں حکومت قرآن کے اصولوں کے مطابق شریعت مطہرہ کی قائم ہوگی، ابھی حال میں بمقام پشاور پھر مسٹر جناح کے اعلان کا اعادہ کیا ہے، اگر فرض کیجئے اس وقت یہ لوگ منحرف ہوجائیں تو احرار تمام مسلمانوں کی طاقت ساتھ لے کر ان کو حکومت الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور کرسکتے ہیں (انوار عثمانی ص ۱۷۱)

اوپر کی تحریر سے قارئین کرام کو اجمالی طور پر معلوم ہوگیا ہوگا کہ اب سے پچاس سال پہلے برطانوی حکومت میں قابل ذکر مسلم جماعتوں کے تین فارمولے تھے، مسلم لیگ ملک کی تقسیم چاہتی تھی

اور جس صوبہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وہاں مسلمانوں کی حکومت کے ساتھ مرکزی حکومت بھی ان کی علیحدہ ہو اور جس صوبہ میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو وہاں غیر مسلموں کی حکومت ہو، ان کا مرکز الگ ہو، اتنی بات میں تو کسی سیاسی جماعت کو اختلاف نہیں تھا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی حکومت بنے گی اور غیر مسلموں کے صوبوں میں غیر مسلموں کی، اختلاف اس میں تھا کہ تمام ہندوستان جس پر حکومت برطانیہ کی حکمرانی تھی اس کا مرکز ایک رہے جیسا کہ برطانیہ کی حکومت کا ایک مرکز تھا یا مسلم اور غیر مسلم دو مرکز ہوں۔

جمعیت علماء ہند اور احرار مرکز کے ایک رہنے میں تو ہم زبان تھے لیکن آگے دونوں میں اختلاف ہو جاتا تھا کہ جمعیت علماء ہند مرکز میں ۴۵ مسلم، ۴۵ غیر مسلم اور ۱۰ دوسری غیر مسلم اقلیتوں کے نمائندے چاہتی تھی اور احرار نہ معلوم کس طرح ایک مرکز کے ہوتے ہوئے حکومت الٰہیہ قائم کرتے؟ ظاہر ہے کہ بحیثیت مجموعی مرکز میں غیر مسلموں کی اکثریت ہوتی کیونکہ مسلمانوں کی نشستیں تو مرکز میں ۴۵ ہی ہوتیں اور غیر مسلموں کی ۵۵ نشستیں ہوتیں۔

بہر حال مرکز کے ایک ہونے یا دو ہونے میں اختلاف ہوا اور سخت ہوا۔

مسلم اور غیر مسلم دو مرکز ہونے کے بعد ہی با اختیار مسلم مرکز کے ماتحت صوبوں کی حکومتوں سمیت مجموعہ کا (پاکستان) اصطلاحی نام رکھا گیا۔

چونکہ مسلم مرکز اس کے ماتحت صوبوں میں مسلم اکثریت ہوگی اس لئے وہاں کے دستور اور آئین کے بارے میں بجا طور پر یہ توقع تھی کہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگا، اور چونکہ عام طور پر وعدوں سے انحراف اور خلاف وعدگی کی وباء مسلمانوں میں بھی پھیل گئی اس کی طرف علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے اوپر کے لفظوں میں واضح طور پر ارشاد فرما دیا کہ "احرار تمام صوبوں کے مسلمانوں کی طاقت کو ساتھ لے کر ان کو حکومت الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں"۔

ظاہر ہے کہ جمہوری نظام میں اکثریت کے ہاتھ میں فیصلہ ہوتا ہے اور زمام اختیار اکثریت ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جس طرف اکثریت ہوتی ہے فیصلہ اسی طرف ہوتا ہے، حق یا ناحق کو نہیں دیکھا جاتا، نہ وعدوں پر انحصار کیا جا سکتا ہے، پھر خاص طور پر لیڈروں کے وعدوں پر تکیہ نہیں کیا جا سکتا، وہ سیاسی وعدے کر کے صاف مکر جاتے ہیں۔

چنانچہ ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں جو ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت برطانیہ نے کرائے تھے قائد

مسلم لیگ مسٹر جناح صاحب سے کچھ وعدے کرا کر ہی جمعیت علماء ہند نے مسلم لیگ کی اس الیکشن میں زوردار طریقہ پر تائید کی تھی، اس کے پارلیمانی بورڈ میں بھی شامل ہوئے اور تمام مسلمانوں کو اس کی امداد کی طرف گرم جوشی سے متوجہ کیا، مسلم لیگ کے خلیق الزمان کے بقول مردہ لیگ میں جان ڈال دی اور ۷۳ نشستوں پر مسلم لیگ کو کامیابی حاصل ہوئی (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۶۳ ج ۱)

مگر الیکشن کے بعد تقریباً وہ سب وعدے الیکشنی ہی ثابت ہوئے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کو مع اپنی جمعیت علماء کے مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی، کاش کہ وہ علیحدگی نہ ہوتی اور ۱۹۴۵ء و ۱۹۴۶ء میں بھی اسی طرح دونوں جماعتوں کے اتحاد سے کانگریس کے مقابلہ میں الیکشن ہوتے اور مسلمانوں کا آپس میں اختلاف نہ ہوتا، مگر امر مقدر ٹلتا نہیں، حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس عمل سے واضح ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک بھی مسلم لیگ کی شرکت شجرہ ممنوعہ نہ تھی البتہ وہ بعض شرائط تسلیم کرانا چاہتے تھے، یہ ان کا حق تھا، ہر جماعت کو دوسری جماعت سے شرائط طے کر کے اشتراک عمل کرانا معمول رہا ہے، یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں تھی، احرار اس اشتراک عمل پر ناراض تھی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس خطرہ کی طرف بھی واضح اشارہ کر دیا تھا، جو لوگ پاکستان کے خلاف عوام میں یہ پروپیگنڈا کرتے ہوئے کہتے رہتے ہیں کہ ''علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ بھولے بھالے سیدھے آدمی تھے وہ مسلم لیگ کے سیاسی وعدوں پر اعتماد کر کے اس کے فریب میں آ گئے'' واقعہ کے بالکل خلاف ہے، حقیقت واقعہ ہرگز یہ نہ تھی، وہ ان وعدوں کی حقیقت سے علی وجہ البصیرۃ واقف تھے اور اس کا اظہار بھی وہ کرتے تھے، البتہ جمہور مسلمانوں کی اسلامی حمیت اور غیرت ایمانی پر انہوں نے ضرور اعتماد فرمایا کہ جب اکثریت مسلمانوں کی ہوگی اور وہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ بتا رہے ہیں، صوبوں کے علاوہ مرکز میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہوگی تو پھر شریعت کے نفاذ میں وہاں کیا مانع ہوگا، سوائے اس کے کہ خدانخواستہ جمہور ہی کی حمیت و غیرت میں کمی آ جائے اور وہی شریعت کا نفاذ ملک میں نہ ہونے دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمعیت علماء ہند ایک خاص درجہ میں ملک کی قومی وحدت ایک مخلوط مرکز کے ذریعہ قائم رکھنا چاہتی تھی جس میں اقلیت میں ہونے کے اعتبار سے مسلم قوم کا عمومی نقصان تھا اور پاکستان کے حامی جو دو قوم کا صحیح نظریہ رکھتے تھے ملک کی ان ہی ضروریات میں مستحکم اور مساویانہ معاہدات کے ذریعہ عملی وحدت کو استوار کرنا چاہتے تھے۔

پھر غور کیجئے کہ جمعیت کے فارمولے نے جب یہ اجازت دے دی کہ جو صوبہ مرکز سے علیحدہ ہونا مناسب سمجھے علیحدگی کر سکتا ہے تو ملک کی تقسیم کا جواز تو انہوں نے بھی تسلیم کر لیا، اب اگر دوسرے لوگ ابتدا سے ایسا کرنا چاہیں تو ایک جائز چیز کو اختیار کر لینا کیوں جرم ہو گیا (انوار عثمانی ص ۱۴۰)

بلکہ ایسا کرنا زیادہ مفید ہوگا اور آئندہ کے خلفشار سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، کیونکہ مرکز سے علیحدگی اور مرکز گریز پالیسی کا کامیاب ہونا بہت مشکل ہوتا ہے، بسا اوقات خون خرابہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایجی ٹیشن ہڑتالیں وغیرہ تو اس کے لازمی امور ہیں، اس سے بہتر یہی تھا کہ ابتداء ہی میں صوبے علیحدہ ہوں اور ان کا مرکز بھی علیحدہ ہو، مرکز کے بغیر صوبہ علیحدہ ہو کر کس طرح کامیابی کے ساتھ معاملات انجام دے سکتا ہے اور اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے؟

ایسے اجتہادی امور میں اصحاب الرائے کا اختلاف کوئی غیر ممکن نہیں ہے، ان تینوں نظریات میں اختلاف رائے ہوا، خود احرار ملک کی تقسیم نہ ہونے کی حد تک تو جمعیت علماء ہند کے ساتھ تھی، آگے ان دونوں کے راستے بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔

آنکھوں دیکھا حال

چنانچہ احقر کے زمانہ طالب علمی میں ایک دفعہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ دیوبند تشریف لائے اور دیوبند کی وسیع جامع مسجد میں تقریر ہوئی، حضرت شاہ صاحب تقریر کے تو بادشاہ تھے، جامع مسجد کا پورا صحن بھرا ہوا تھا، آپ نے سیڑھیوں پر تقریر فرمائی اور بہت تفصیل سے اپنا نقطۂ نگاہ پیش کیا، ان کا جوش خطابت اور لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے، مگر ایک دو دن کے وقفہ سے حضرت مدنی رحمہ اللہ نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمہ اللہ سے دارالحدیث میں عشاء کے بعد اپنا سبق روک کر تقریر کروائی، مولانا حفظ الرحمٰن موصوف نے تینوں نظریوں پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا، تقریر کی روانگی اور حسن بیان اپنی مثال آپ تھی، میرے جیسا اس کی تعریف کا کیا حق ادا کر سکتا ہے، اس وقت صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ مولانا مرحوم نے جس طرح مسلم لیگ کے نظریہ پاکستان کے رد پر دل کھول کر زبردست تقریر کی اور اس کی تردید مدلل طریقہ سے کی اسی طرح احرار کے نظریہ پر بھی بہت تفصیلی تبصرہ فرمایا، صرف جمعیت علماء ہند کے فارمولا ہی کو قابل عمل قرار دیا اور اس جلسہ کا مقصد بھی یہی تھا جو دارالحدیث دارالعلوم دیوبند میں کرایا گیا تھا، جو اپنی تقریر میں اتنی متانت و سنجیدگی اور سلاست و تسلسل بہت کم سننے اور دیکھنے میں آیا ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اور دوقومی نظریہ

ہمارے حکیم الامت رحمہ اللہ کا رجحان چونکہ ہمیشہ سے دوقومی نظریہ اور مسلمانوں کی علیحدہ مضبوط تنظیم کی طرف تھا اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے ہمیشہ اسی کا اظہار فرمایا، چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی جو پکے خلافتی اور محمد علی جوہر کے اخبار ''ہمدم'' کے ایڈیٹر تھے لکھتے ہیں:

۱۹۲۸ء میں جب پہلی بار حاضری ہوئی تو ملاقات میں حضرت (تھانوی رحمہ اللہ) نے دارالاسلام کی سکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی کہ ''جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو، بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں، دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں؟ اس مقصد کیلئے صرف مسلمانوں کی جماعت ہونی چاہئے اور اس کو یہ کوشش کرنی چاہئے'' (نقوش وتاثرات)

ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا خیال علامہ اقبال مرحوم نے ۱۹۳۰ء ۲۹ دسمبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد میں اپنے خطبہ صدارت کے دوران کیا، جس کا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں ملی نصب العین کے طور پر ایک قرارداد کے ذریعہ باقاعدہ مطالبہ کیا گیا، اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے متذکرہ اجلاس میں پیش کیا تھا مگر بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ اپنی مجلس عوام میں کئی بار فرما چکے تھے، گویا دربار اشرفیہ میں حصول اور بقاء پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا پورا نقشہ اس وقت پیش ہو چکا تھا جبکہ پاکستان چاہنے والوں کو ابھی اس کا خواب وخیال ہی نہیں تھا۔ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال، یہ سب آوازیں ہم نے پہلے پہل حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی زبانی سنیں (نقوش وتاثرات)

علامہ اقبال کو یقیناً یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم سے اسلامی حکومت کے قیام کے تخیل کو ۱۹۳۰ء میں پیش کیا اور اس کے تقریباً دس سال کے بعد قائد مسلم لیگ جناب محمد علی جناح نے اس کو بطور قرارداد لاہور مسلم لیگ کا ملی منشور قرار دیا اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے جو پاکستان کے سلسلہ میں ان دونوں رہنماؤں کو حاصل ہوا، مگر ان کے علاوہ بھی یہ تخیل کافی عرصہ پہلے خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیش ہو چکا تھا، اور جس مجلس میں یہ پیش ہوا اس میں حضرت مدنی رحمہ اللہ بھی مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے ساتھ تشریف فرما تھے مگر پاکستان کے لفظ سے دنیا

۱۹۳۰ء میں چوہدری رحمت علی کی زبانی آشنا ہوئی جبکہ چند نوجوانوں کو لندن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شمال ہند کے ایک حصہ کو ہندوستان سے الگ کیا جائے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور ان کے لاکھوں متوسلین اور خلفاء عظام ''دوقومی نظریہ'' کے حامی تھے، اس لئے جب ''نہرو رپورٹ'' کے بعد بعض عمائد مسلم لیگ نے ۱۹۲۸ء میں کانگریس سے علیحدگی اختیار کی اس وقت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان فرمایا، اس سے پہلے تو مسلم لیگ ''میثاق لکھنؤ'' کی وجہ سے کانگریس کے ساتھ مل کر ہی کام کر رہی تھی اور اس ''اتحاد ہندو مسلم'' میں مسٹر جناح صاحب اس درجہ گرم جوشی دکھلا رہے تھے کہ ''سفیر ہندو مسلم'' کہلاتے تھے، پھر اس کے بعد ایک وقت آیا کہ ناراض ہو کر اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لندن میں وکالت کرنے لگے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۸ء کے بعد تک کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرتی رہی ہے، سیاسی طور پر دونوں جماعتوں کا اشتراک عمل بھی ایک عرصہ تک رہا ہے، کانگریس سے علیحدگی کوئی اس کی ہمیشہ کی پالیسی نہیں تھی۔

جب مسلم لیگ نے پہلا جھانسی کا الیکشن غالباً ۱۹۳۵ء میں کانگریس سے علیحدہ ہو کر لڑا ہے تو اس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مسلم لیگ کی حمایت کی تھی، جب تک مسلم لیگ ''ہندو مسلم اتحاد'' کے چکر میں رہی اس وقت تک اس کا بھی اعلان نہیں کیا جیسا کہ دوسری تنظیموں کانگریس، جمعیت علماء ہند وغیرہ کی حمایت کا اعلان نہیں کیا بلکہ ان کے خلاف ہی اعلان ہوتا رہا۔

۲۶ فروری ۱۹۳۹ء کے جمعیت علماء ہند کے دعوت نامہ کے جواب میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے واضح فرمایا تھا کہ ''شرعی حیثیت سے صرف ایک رائے کا اظہار کرتا ہوں جس کے متعلق مولانا کفایت اللہ صاحب سے زبانی گفتگو بھی ہو چکی ہے اور اب تو واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت پختہ کر دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضرات علماء کا کانگریس میں شریک ہونا مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے، علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنی چاہئے تاکہ ان کی تنظیم خالص دینی اصول پر ہو اور مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے'' (افادات اشرفیہ ص ۸۸)

اس کے بعد تنظیم المسلمین کے نام سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا تفصیلی فتویٰ ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ کی حمایت میں شائع ہوا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور آپ کے متوسلین و متعلقین

کی حمایت نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی اور مطالبۂ پاکستان میں جان ڈالی تھی۔

پھر ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں زیر صدارت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ آل انڈیا جمعیت علماء کانفرنس ۲۶ تا ۲۸/ اکتوبر کی تاریخوں میں مسلسل شاندار اجلاس ہوتے رہے، اس کانفرنس میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی صدارت میں قراردادیں پاس ہوتی رہیں اور ایک قرارداد میں متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کے ساتھ ساتھ دوڑوں سے اپیل کی گئی کہ مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دیں۔

کلکتہ کے اس اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تحریک پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کو جمعیت علماء اسلام کا صدر منتخب کیا گیا اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو نائب صدر مقرر کیا گیا، ۱۹۴۵ء و ۱۹۴۶ء کے الیکشن جو کہ ہندوستانی مسلمانوں کیلئے ایک فیصلہ کن حیثیت کے حامل تھے میں جمعیت علماء اسلام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب کرنے کیلئے بڑے بڑے جلسے اور کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن میں جمعیت علماء اسلام کے عمائدین نے شرکت فرمائی، بحمد اللہ تعالیٰ مسلم لیگ کو کامیابی حاصل ہوئی اور کانگریس کا غرور ٹوٹا کہ وہ مسلم وغیر مسلم تمام ہندوستانیوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اس لئے انگریز اس کو ہی تمام ہندوستانیوں کی نمائندہ بنا کر اس کو ہی ہندوستان کی حکومت دے جائیں اور تمام مسلم وغیر مسلم کا مرکز ایک ہی ہو۔

ظاہر ہے کہ ایک مرکز کی صورت میں مسلمان مرکز میں ایک چوتھائی کی نسبت سے اپنے نمائندے بھیج سکتے تھے کیونکہ اس وقت مسلم وغیر مسلم کی آبادی کا تناسب یہی تھا تو اس صورت میں تمام مسلمان غیر مسلموں کے ماتحت اور ان کے زیر سایہ ہوتے اور تمام ہندوستان میں حکومت غیر مسلموں کی ہوتی کیونکہ جمہوریت میں جس کی اکثریت ہوتی ہے اسی کی حکومت کہلاتی ہے، لیکن مسلم لیگ، جمعیت علماء اسلام اور جمہور مسلمانوں کی جدوجہد سے کانگریس اپنے دعویٰ میں ناکام رہی اور دو مرکز مسلمانوں کا تسلیم کرنا پڑا جس میں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل ہو۔

تقسیم ملک کا دارومدار اس پر تھا کہ اس صورت میں ملک کے ایک حصہ میں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے اور دو مرکز مسلم وغیر مسلم ہونے کی صورت میں مسلم مرکز میں اسلامی حکومت قائم ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے اور اسلامی فقہ کی رو سے یہ بات مسلمہ ہے کہ دارالاسلام ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ ملک میں اقتدار کس کا ہے، اگر اقتدار مسلمانوں کا ہے تو وہ دارالسلام ہے

اور اگر اقتدار کافروں کے ہاتھوں میں ہے تو وہ دارالحرب ہے، پاکستان میں اگر اسلامی قوانین پوری طرح نافذ نہیں ہیں تو یہ ہماری زبردست کوتاہی ہے جس کی وجہ سے ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجرم ہیں اور قوم سے بے وفائی اور بدعہدی کے مرتکب ہو رہے ہیں، مگر اس کی وجہ سے پاکستان کو دارالسلام ہونے سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید جناب مولانا احمد رضا شاہ صاحب بجنوری لکھتے ہیں ''جس ملک میں اسلام کی شان وشوکت اور حکومت ہے اور وہاں کے حکام وولاۃ، سلاطین وملوک مسلمان ہوں وہ دارالسلام ہے خواہ وہاں کسی وجہ سے شرعی قوانین کا نفاذ نہ ہو''۔

اب ظاہر ہے کہ پاکستان کے حکام وامراء کو اندرون ملک تنفیذ احکام شرعیہ کی یقیناً پوری پوری قوت وآزادی حاصل ہے، اگر یہ اس پر عمل نہیں کرتے تو مجرم وگناہگار ہیں، یہ قوت دو مرکز بننے اور ملک کی تقسیم کے بعد ہی حاصل ہوئی ہے، مرکز ایک ہونے اور دو مرکز ہونے کا یہ فرق ہے، جس کو نظر انداز کر دینے سے طرح طرح کے نقصانات اور شبہات سامنے لا کر پاکستان سے نفرت پیدا کی جاتی ہے۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پاکستان اور اس کی حیثیت کیا ہے، اور اس مضمون کا مقصود بھی مختصر طریقہ پر یہی بتانا تھا۔

اب بعض ایسے امور کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے جس سے یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ دو مرکز ہونے اور مسلمانوں کو ایک حصہ ملک میں اقتدار اعلیٰ حاصل ہونے سے کیا نفع ہوا۔

(۱) پاکستان کی اسمبلی نے ''قرارداد مقاصد'' پاس کی جس کو اب آئین پاکستان کا حصہ بنا لیا گیا، اور اگر اس کی روح اور منشا کے مطابق دستور مرتب کیا جائے تو اس میں ریاست کے قانون کا ماخذ کتاب وسنت کے سوا کسی اور چیز کو قرار نہیں دیا جا سکتا، اور سیکولرازم، سوشلزم اور جتنے لادینی ازم ہیں سب کا راستہ بند ہو کر اسلام کی شاہراہ پر گامزن ہونا متعین ہو گیا، یہ بات ایک مرکز ہونے میں حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

(۲) موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے طے شدہ اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور اصولوں سے متصادم ہونے والا کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا (آئین پاکستان)

(۳) ۱۹۷۹ء میں ممانعت شراب کا قانون جاری کر دیا اور غیر مسلموں کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد ان کیلئے بھی پابندی لگا دی گئی اور شراب نوشی کی سزا شریعت کے مطابق مقرر کر دی گئی۔

(۴)بدکاری کی سزا شرعی سوکوڑے یا سنگساری جیسی بھی صورت ہو مقرر کردی گئی، تمام ممالک اسلامیہ میں سعودی عرب کے بعد شاید پاکستان کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں حدود شرعیہ کا قانون موجود ہے۔

(۵)پاکستان وہ واحد ملک ہے کہ جس کے عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ رائج الوقت قوانین میں سے کسی بھی قانون کے غیر اسلامی ہونے کی بناپر عدالت میں چیلنج کرسکتے ہیں اور عدالت اگر اس کے غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کردے تو وہ قانون خود بخود منسوخ ہوجاتا ہے اور حکومت متبادل قانون نافذ کرنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو میرا رسالہ ''دستور اسلامی اور اسمبلی کی ذمہ داری ''اور ''تحریک پاکستان کی شرعی حیثیت''۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مملکت خداداد کو ہمیشہ قائم رکھیں اور ترقیات سے نوازیں اور پاکستانی مسلمانوں خصوصاً ارباب اقتدار کو ہمت اور توفیق عطا فرمائیں کہ وہ جلد از جلد پاکستان میں نظام اسلام مکمل طور پر نافذ کرکے حصول پاکستان کا مقصد حاصل کریں، آمین۔

.....

دعاء مغفرت کی درخواست

حضرت اقدس فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب سابق رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴ر جمادی الثانیہ بروز اتوار کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گذشتہ ماہ مولانا فیض احمد مرحوم کے فرزند اور محترم جناب ڈاکٹر رانا مطیع الرحمن شہید کے بڑے بھائی جناب محترم ڈاکٹر عبدالرحمن خالد (حال مقیم لندن) کی اہلیہ محترمہ اپنے محبوب حقیقی سے جاملیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی قاضی عتیق الرحمن سلمہ کے برادر نسبتی مولانا قاری اللہ یار ۲۷ر جولائی ۲۰۰۶ء کو قضاء الٰہی سے وفات پاگئے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۲ر جمادی الثانیہ بروز بدھ مولوی محمد کلیم اللہ تونسوی متعلم رتبہ عالیہ جامعہ ہذا کے ماموں خالق حقیقی سے جاملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۳ر جمادی الثانیہ بروز جمعرات مولانا محمد جمیل طارق صاحب مدرس جامعہ حقانیہ چاوے والا کے سسر انتقال فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین سے تمام مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعاء کی درخواست ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ

تحریک پاکستان

اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ

تحریک پاکستان میں علماء دیوبند بطور خاص حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا کردار تاریخ میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کہ اگر یہ حضرات تحریک پاکستان میں قائدانہ کردار ادا نہ کرتے تو نہ پاکستان کی تحریک کامیاب ہوتی اور نہ ہی سرحد اور سلہٹ پاکستان کا حصہ قرار پاتے، یہ خوش آئند بات ہے کہ روزنامہ نوائے وقت پاکستان نے ۱۹۸۴ء میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی پاکستان کے حوالہ سے سنہری خدمات سے متعلق مجلس مذکرہ کا اہتمام کیا اور اس میں جانشین شیخ الاسلام حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ کو بھی دعوت دی حضرت مولانا کاندھلوی نے نوائے وقت کے سوالات کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس سے تحریک پاکستان میں علامہ عثمانی کی سیاسی خدمات پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے اس لئے یہ مضمون بعینہٖ قارئین "الحقانیہ" کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے (ادارہ)

آپ کا یہ سوال بہت اہم ہے، سیاست کا مفہوم شریعت کے نقطۂ نظر سے کیا ہے اور اس مفہوم کو حضرت شیخ الاسلام کی سیاسی زندگی سے ہم نے کس طرح پایا، اس کے بارے میں میں یہ عرض کردوں کہ لغت کے لحاظ سے سیاست کے معنی "دیکھ بھال کرنا" کے ہیں اور علامہ زمخشری نے سیاست کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے کہا تھا کہ عربی زبان میں ساس الفرس یسوس سے ماخوذ ہے اس کے معنی گھوڑے کی نگرانی کرنا، دانے چارے کے مہیا کرنے کی فکر کرنا کے ہیں، اسی لئے لفظ ساس کلام عرب میں گھوڑے کی نگرانی کرنے والے کیلئے وضع کیا گیا، اصطلاح شریعت اور اسلامی اصول کے لحاظ سے سیاست کا مفہوم یہ ہوا کہ کسی قوم کی ملی اور اس کی طبعی ضرورتوں کے مہیا کرنے کیلئے اپنی تمام تر ممکن کوششوں کو صرف کرنا، کسی قوم کی فلاح کو اور اس کے مقصد کو مہیا کرنے کیلئے جد وجہد کرنا، اس قوم کو کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی سے بچانے کیلئے کوششیں کرنا، اس کے اصل مقصد اور ترقی کی طرف اس کو پہنچا دینا، ان چیزوں کے مہیا کرنے کا نام سیاسی قیادت ہے، اس لئے ہمیں یہ چیز محسوس ہوئی کہ شریعت کے نقطۂ نظر سے جو سیاسی قیادت ہے ان چیزوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے اور جب تک کہ کوئی سیاسی قیادت ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتی تو ہم یہی سمجھیں گے وہ سیاسی قیادت نہیں ہے، آج اس دور میں افسوس کی بات یہ ہے کہ سیاست کا مفہوم جو اصل وضع لغت کے لحاظ سے یا شریعت کی اصطلاح کے لحاظ سے تھا وہ تو بالکل ناپید ہو چکا، لوگ اس کو بھلا چکے، اب سیاست کا مفہوم

صرف اس حد تک رہ گیا کہ کسی حکومت کے مدمقابل کسی جماعت کا اپنی کوششوں کو تیز تر کر دینا، اقتدار کے حصول کیلئے باہمی چپقلش اور اس قسم کی فضا کے قائم کر دینے کا نام سیاست ہو گیا، شریعت کے اصول سے سیاست کا کوئی تعلق حصول اقتدار کیلئے جدوجہد کرنے سے ہرگز نہیں بلکہ شریعت تو اس کو منع کرتی ہے اور روکتی ہے، علامہ عثمانی کے اس زمانہ کے بعد خود ان سے میں نے یہ چیز اخذ کی تھی، وہ بعض دفعہ ان چیزوں کو اپنی مجلسوں میں فرمایا بھی کرتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی سیاسی زندگی میں یہی مفہوم ان کے عمل سے سمجھا اور دیکھا، جس وقت وہ سیاسی میدان میں کھڑے ہوئے ہیں ان کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ مسلمانوں کیلئے فلاح اور کامیابی جس چیز میں ہے اس کیلئے وہ اپنی کوششیں پوری صرف کر دیں، مسلمانوں کو اپنے مذہب کی بقا کیلئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کیلئے خطۂ زمین موجود ہو، جب تک کوئی آزاد خطۂ زمین مسلمانوں کے پاس موجود نہ ہوگا تو وہ اپنے مذہب کا بھی تحفظ نہیں کر سکتے اور اپنی ثقافت کا بھی تحفظ نہیں کر سکتے ہیں اور اقامت دین جو مسلمانوں کیلئے بنیادی فریضہ ہے اس کو بھی انجام نہیں دے سکتے، حضرت علامہ عثمانی جب سیاست کے میدان میں سامنے آئے ہیں تو ان کا پیغام مسلمانوں کو یہی تھا اور انہوں نے پاکستان کی حمایت کیلئے جس نقطۂ نظر کو مسلمانوں کے سامنے رکھا تھا وہ یہی ہے کہ مسلمان قوم اپنے دین کو قائم کرنے کیلئے جب تک ایک آزاد مملکت کو حاصل نہ کرے تو اس وقت تک اس کیلئے اقامت دین کا نصب العین حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا، ساتھ ہی یہ بھی چیز تجربے میں برسوں سے آ چکی تھی کہ کانگریسی قیادت نے مسلمانوں کے حقوق کو جس طرح غصب کیا تھا، جس طرح مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے، بہار اور اڑیسہ میں جس طرح مسلمانوں کا خون بہا کانگریسی وزارت کے زمانے میں اس نے اس چیز کو واضح کر دیا تھا کہ مسلمان اب کسی طرح بھی اپنے حقوق اور مذہب کا تحفظ ہندو کے ساتھ مل کر نہیں کر سکتے۔

ایک حد تک ایک زمانے میں یہ نظریہ قابل قبول تھا اور محتاج فکر بھی تھا کہ انگریز سے آزادی حاصل کرنے کیلئے جب تک ہندوستان میں بسنے والی قومیں متحد ہو کر کوشش نہ کریں تو انگریز سے آزادی کا حصول ممکن نہ ہوگا، اس حد تک یہ بات کچھ سمجھنے کے قابل بھی تھی لیکن جب ہندو کا یہ طرز عمل تاریخ میں سامنے آ گیا تو اب یہ پردہ نظروں کے سامنے سے ہٹ گیا کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنے دین کا، اپنے حقوق کا ہندوستان کی سرزمین کے اندر تحفظ کر سکیں گے، اس بنا پر حضرت شیخ الاسلام

کواس بات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کا مقام حاصل ہوا کہ پاکستان کے حصول کیلئے وہ کھڑے ہوئے اور حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ ساتھ انہوں نے تحریک پاکستان میں شرکت کی اور مسلمانوں کواس بات کی دعوت دی، حقیقت میں حضرت شیخ الاسلام کا یہ جذبہ اوران کی یہ جدوجہد کوئی نئی نہیں تھی، بلکہ یہ بات تو وہ تھی جو حضرت مولانا محمود حسن اپنی زندگی میں کرنا چاہتے تھے، اس چیز کیلئے ایک نظام عمل مرتب کرلیا تھا، افغانستان، ایران اور ترکی یہ تینوں مل کر انگریز کا مقابلہ کریں اور جہاد کر کے ان کی سلطنت کو تہہ وبالا کر دیا جائے تو حضرت شیخ الہند کی جو یہ تحریک اور جذبہ تھا ایک عرصہ گذرنے کے بعد حضرت شیخ الہند کے یہ شاگرد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے صلب ودماغ کے اندر اتری اورانہوں نے اس منہاج پر قدم اٹھا کر جدوجہد کی، الحمدللہ ان کی یہ بصیرت تاریخی واقعات کے لحاظ سے اپنی جگہ برحق اور درست ثابت ہوئی، ابتداء میں بعض اکابر علماء کواس چیز سے اختلاف رہا اور وہ ان کا جو اختلاف تھا وہ دیانت، نیک نیتی پر مبنی تھا، ان کو جو کچھ اختلاف تھا وہ صرف یہ تھا کہ اس طرح اگر مسلمان اسی مشترکہ جدوجہد سے ہٹ کر ایک خاص مملکت کا مطالبہ شروع کریں گے اور اس کیلئے کوششیں شروع کریں گے تو کہیں انگریز سے آزادی کے حاصل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے، مگر اس نظریے اور جذبے سے کوئی اختلاف کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بات غلط نہیں تھی لیکن ان حضرات کا اختلاف قیام پاکستان سے قبل رہا، اللہ تعالیٰ نے جب یہ مملکت اسلامیہ عطا فرمادی اور پاکستان قائم ہوگیا اور میں قیام پاکستان کے بعد تقریباً دوسال اور چھ ماہ تک وہیں رہا اور دیوبند اور دوسرے علاقوں میں بھی آنا جانا ہوتا تھا، وہ حضرات جو اس چیز میں ابتداء میں اختلاف کرتے تھے پاکستان کے قیام کے بعد وہ پاکستان کے کھلے دل سے حامی اور اپنی خلوتوں میں دعائیں کرنے والے تھے، اپنی مجلسوں میں اس بات کی حمایت کھلے دل سے کرتے تھے، مثلاً میں نے مولانا حفیظ الرحمٰن کو دیکھا، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی تقریریں سنیں، قیام پاکستان کے بعد ان کی تقریروں سے ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پاکستان کے سب سے بڑے حامی ہیں، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی برملا ہندوؤں کو ڈانٹا کرتے تھے، پٹیل کے مقابلے میں ان تمام ظلم وتشدد کی باتوں کو روکا کرتے تھے جو مسلمانوں پر ہونے لگی تھیں۔

حضرت شیخ الاسلام عثمانی کی سیاسی بصیرت بڑی عظیم اور بلند پایہ تھی، جو چیز حضرت شیخ الہند چاہتے تھے کہ حضرت شیخ الاسلام نے اسی آرزو کی تکمیل کی اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اور قائداعظم

کی سیاسی قیادت میں اس منزل کو حاصل کیا، چنانچہ یہ پاکستان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمانوں کیلئے ایک آزاد مملکت کی صورت میں حاصل ہوگیا۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ سوال بھی بہت اہم ہے، اس سوال پر ہمیں بڑی سنجیدگی کے ساتھ اور اس کے جواب کو بھی بڑے تدبر کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے، اس وقت تو یہ چیز سامنے آئی اور تاریخ اس کا پورا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ ۱۹۴۵ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس میں بصیرت کی بنا پر، اب ہمارا ہندوؤں کے ساتھ شرکت کا مسئلہ مفید نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنی زندگیوں اور اپنے حقوق کا تحفظ کرسکتے ہیں اور نہ ہی دین اسلام کا، انہوں نے قیام پاکستان اور تحریک پاکستان کیلئے اعلان کیا اور مسلم لیگ کی شرکت کیلئے فتویٰ جاری فرمایا، ایک پیغام کے ذریعے مسلمانوں کو اس کی دعوت دی تو اس وقت تمام مکاتب فکر کے حضرات اکابر انہوں نے اس چیز کو نہیں دیکھا کہ یہ داعی کون ہے، انہوں نے دیکھا دعوت کیا ہے، تو اس چیز کی وجہ سے، ان کے حوصلوں اور وسعت وبلندی کی وجہ سے پیر جماعت علی شاہ حضرت شیخ الاسلام کے جلوس میں شرکت کرنے لگے اور مولانا ابوالحسنات بھی آنے لگے، اور مولانا میر داؤد غزنوی بھی، میر محمد ابراہیم سیالکوٹی بھی، حضرات اہل حدیث بھی اور بریلی بھی سب کے سب تشریف لایا کرتے اور شرکت کیا کرتے اور سب دوش بدوش اس گاڑی کو منزل کی طرف لانے کیلئے تیار ہوگئے تو ہمیں اس تاریخی ورق سے یہ اندیشہ ہوا کہ اصل میں ہر شخص کو جو کہ دینی قیادت کررہا ہو یا اس دینی قیادت کی ذمہ داریاں عائد کردی جائیں اس کو اس چیز پہ اپنی نظریں بلند کردینی چاہئیں کہ دین کا، اللہ اور اس کے رسول کا یہ پیغام کس طرف سے جاری ہورہا ہے اور کون داعی بن رہا ہے؟ اس بنا پر یہ تمام مکاتب فکر کے علماء اکابر امت جو ہیں سب کے سب اس دعوت میں شریک ہوکر، متحد ومتفق ہوکر اس کام کو آگے لے چلیں، الحمدللہ اس میں بڑی کامیابی ہوئی اور حضرت عثمانی کے وسعت وحوصلہ کی یہ بات ہم نے دیکھی کہ ان کی زبان سے کبھی اس بارے میں اختلافی چیز نہیں سنی، ان کی مجلس میں اور تقریر میں، ان کی کتابوں میں کسی بھی طرح کوئی ایسا مواد نہیں ملتا تھا کہ جس سے کسی کو باہمی منافرت، اختلاف کی کوئی بات ہاتھ آسکتی ہو، یہ ان کے وسعت حوصلہ کی ایک بات تھی جو میں نے سالہا سال ان کے پاس رہ کر دیکھی اور محسوس کی، اب اس دور میں بھی مخلصین کی کوئی کمی نہیں ہے، مخلصین ہیں اور اہل علم بھی ہیں لیکن کچھ زمانے کے فساد اور زمانے کے تغیرات میں ایک تغیر یہ بھی آگیا کہ مخلصین جس کام کو کرنا چاہتے ہیں اس میں ان کے ساتھ بعض ایسے عناصر مل

جاتے ہیں کہ جوان کو مکاتب فکر کے اختلاف کی طرف متوجہ کردیتے ہیں اوران کے ذہنوں کواس بات پرآمادہ کردیتے ہیں کہ ایک پلیٹ فارم پرسب کامل کر،متحد ہوکرکوئی کام کرنا ممکن نہیں ہے، اور یہ باہر کے عوامل کی ریشہ دوانیاں ہیں،آپ بخوبی اس بات کوسمجھ سکتے ہیں کہ یہ تو خیرالقرون میں بھی اس قسم کی ریشہ دوانیوں سے باہمی منافرت کی،مشاجرت کی شکلیں رونما ہوگئی ہیں،تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت درحقیقت جوکمی ہے وہ اس چیز کی وجہ سے ہے کہ ہمیں اس قسم کے مسائل میں مبتلا ہونا پڑتا ہے،اوربعض ایسے عناصر جوہمیں ایک مرکز پرجمع نہیں ہونے دیتے ان عناصر کوہم اپنے میں سے نکال باہر پھینکیں یہ چیز ضروری ہے،اگرہم ان کی مفسدانہ باتوں کو،ان کی خرابیوں کومحسوس نہ کرتے ہوئے ہرمکتب فکر کے مخلصین اپنے بلند حوصلوں کے ساتھ ایک دعوت حق پرجمع ہوجائیں،وہ دعوت حق میرے نزدیک اس وقت یہ ہے کہ پاکستان کی بقاء،پاکستان کواسلامی مملکت بنانا،پاکستان میں اسلام کانفاذ اس چیز میں میں سمجھتا ہوں کہ کسی مکتبہ فکر کے اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

اس وقت بات چونکہ حضرت شبیراحمدعثمانی کے حوالے سے ہورہی ہے اس ضمن میں میں یہ وضاحت ضروری سمجھوں گا کہ حضرت مولانا شبیراحمدعثمانی کواس کام میں لگانے والے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ہیں،جب ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء کوپنڈت جواہرلال نہرو نے یہ کہا کہ ہندوستان میں صرف دوقومیں ہیں ایک انگریزاورایک کانگریس اس وقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے فیصلہ کیا کہ مسلم لیگ کی اعانت کرنی ہے،چونکہ قائداعظم نے پنڈت جواہرلال نہرو کے جواب میں فرمایا تھا کہ صرف کانگریس اورانگریزفریق نہیں ہیں بلکہ تیسرا فریق بھی موجود ہے جومسلمان ہیں،حضرت تھانوی نے تمام شاگردوں،مریدوں اورخلفاء کوحکم دیا کہ اب ہمیں مسلم لیگ کے ساتھ تعاون بھی کرنا چاہئے اورمسلم لیگی زعماء کی تربیت بھی کرنا چاہئے تاکہ پاکستان کوشریعت مقدسہ کے مطابق جوحضرت قائداعظم فرماتے ہیں کہ ہمارا کلچر،ہمارادین ہندوؤں سے علیحدہ ہے اورہم ایک خطۂ زمین چاہتے ہیں جس میں ہم شریعت اسلامی کونافذکرسکیں،چنانچہ حضرت تھانوی نے قائداعظم کی خدمت میں بھیجنے کیلئے پہلا وفد تشکیل فرمایا جس کی قیادت علامہ شبیراحمدعثمانی کودی لیکن علامہ مرحوم اس وقت بیمار ہوگئے جس وجہ سے وہ وفد کے ساتھ نہ جاسکے،وہ وفد بھی بعد میں نہ جاسکا،دوسرے وفد کی بھی یہی صورت تھی لیکن حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری کوقائد بنا کربھیجا گیا،چونکہ حضرت مولانا شبیراحمدعثمانی کی بیماری طوالت پکڑگئی،پھر ۱۹۴۰ء سے پہلے پہلے حضرت مولانا تھانوی کے تقریباً بارہ وفود حضرت قائداعظم

سے ملے اور آپس میں اتفاق واتحاد اور تعاون کی وہ بنیادیں فراہم کر لی گئیں جن بنیادوں پر ان دونوں نے مل کر آگے چل کر تشکیل پاکستان کیلئے سب کچھ سرانجام دینا تھا۔

قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد بمبئی میں وہاں کے تاجروں نے پوچھا کہ قائداعظم آپ کے ساتھ کوئی عالم بھی ہے؟ تو قائداعظم نے برملا فرمایا کہ ''میرے ساتھ اتنا بڑا عالم ہے کہ اگر ایک پلڑے میں اس کا علم رکھا جائے اور ایک پلڑے میں کل ہندوستان کے علماء کا علم رکھا جائے تو اس اکیلے کا علم بڑھ جائے گا'' لوگوں نے سوال کیا وہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا ''وہ مولانا اشرف علی تھانوی ہیں، رہتے تو چھوٹے سے قصبے میں ہیں لیکن ہمیں اس عالم کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے عالم کی ضرورت نہیں''۔

مولانا تھانوی کے متعلق آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ تھے اور مولانا شبیر احمد عثمانی دارالعلوم دیوبند کے صدر محترم تھے، چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی حضرت تھانوی کے حکم سے حضرت قائداعظم کے پاس گئے اور پھر بمبئی میں جمعیت علمائے اسلام کا عظیم اجتماع ہوا جس اجتماع میں مسلم لیگ کی اعانت اور حمایت اور پاکستان کے ضمن میں پوری ہمت اور توانائی سے کام کرنے کا علماء کرام نے عہد کیا اور وہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں تھا، اس کے بعد ہندوستان کے کل علماء اور مشائخ جو تھے وہ حضرت مولانا کی آواز پر لبیک کہہ کے اس تحریک میں شامل ہو گئے، خود دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا شمس الحق افغانی، مفتی اعظم مولانا محمد شفیع اور مولانا محمد ابراہیم بلیاوی حتیٰ کہ قاری محمد طیب صاحب جو آخر تک دیوبند کے مہتمم رہے وہ مسلم لیگی ذہن کے تھے۔

حضرت شبیر احمد عثمانی ایک طرف تو پاکستان کی تحریک کے کام اور دوسری طرف پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے تحفظ کیلئے اپنی تصنیف وتالیف میں مصروف رہے تاکہ پاکستان جب بنے تو اس پاکستان کو جو لٹریچر فراہم کیا جائے وہ ان کے اور ان کے شاگردوں کے ہاتھوں لکھا جائے، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان شاگردوں نے تقریباً ۴۵ کتابیں اسلام کے نظام پر لکھی ہیں جب کہ ہماری بڑی بڑی نظریاتی کونسلیں ایک اسلامی دستاویز نہ بنا سکیں جو مکمل اسلام کے نظام پر مشتمل ہو، مولانا اس طرف بھی کام کر رہے تھے اور اس طرف بھی کام کر رہے تھے، پھر سرحد اور سلہٹ میں جو ریفرنڈم ہوا وہ بڑا سخت مقابلہ تھا، حضرت قائداعظم نے اس زمانے میں مولانا شبیر احمد عثمانی کو بلایا اور فرمایا کہ مولانا

سلہٹ جائیں، چونکہ آپ مشرقی پاکستان میں رہے ہیں تو آپ کے وہاں بڑے تعلقات ہیں اور آپ کے وہاں بڑے شاگرد ہیں آپ وہاں جا کر کام کیجئے، مولانا نے فرمایا کچھ دنوں کے بعد جاؤں گا اب میں علیل ہوں، قائداعظم نے فرمایا کہ نہیں آپ اس علالت میں چلے جائیں، مولانا اس علالت میں چلے گئے اور جب تک سلہٹ کا ریفرنڈم جیتا نہیں اس وقت تک واپس نہیں آئے، حضرت قائداعظم جب مولانا ظفر احمد کو دیکھتے تو بار بار فرماتے کہ یہ شخص اگر نہ ہوتا تو ہم سلہٹ کا ریفرنڈم کبھی بھی نہ جیت سکتے تھے، یہی حالت سرحد میں تھی، حضرت شبیر احمد عثمانی حضرت قائداعظم کے حکم کے مطابق نحیف وزار اور بیمار بدن کے ساتھ یہ بوڑھا عالم دین ان پہاڑوں پر گیا جہاں تندرست آدمی نہیں جا سکتا، لیکن اس نے ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر پاکستان کا پرچم لہرا دیا جیسا کہ ہمارے بزرگ بیان کر چکے ہیں کہ پرچم کشائی کی تقریب میں حضرت قائداعظم نے فرمایا کہ یہاں پرچم کشائی یہ کریں گے اور مشرقی پاکستان میں پرچم کشائی مولانا ظفر احمد عثمانی کریں گے۔

ایک دفعہ حضرت قائداعظم نے مولانا شبیر احمد عثمانی سے ملاقات میں کہا کہ مجھے حضرت مجدد الف ثانی کی کوئی بات سنائیں، علامہ شبیر احمد نے حضرت مجدد الف ثانی کی بات سنائی تو حضرت قائداعظم مسکرا کر فرمانے لگے کہ آپ کو پتہ ہے کہ ہمارے بڑے دادا کو حضرت مجدد الف ثانی نے مسلمان کیا ہے، میں اکثر اس بات کو بیان کرتے ہوئے کہا کرتا ہوں کہ اس خاندان کو چونکہ حضرت مجدد الف ثانی نے مسلمان کیا تھا اور مجدد الف ثانی نے یہ پاکستانی نظریے کیلئے پہلی جیل کاٹی تو اصل بانی پاکستان ہم مجدد الف ثانی کو کہتے ہیں، بنیاد انہوں نے فراہم کی اور کیس جو تھا وہ حضرت قائداعظم نے لڑا۔

ایک روز حضرت قائداعظم کے ہاں کھانا تھا، لیاقت علی خاں مرحوم نے حضرت علامہ عثمانی کی ایک تقریر پر تنقید کی، اس موقع پر حضرت علامہ نے عجیب جملہ فرمایا کہ "لیاقت علی! سنو، قائداعظم کے سامنے تمہیں کہتا ہوں مولوی اس وقت تک تمہارے لئے مفید رہتا ہے جب تک اس کا ضمیر آزاد ہے، جب کسی عالم کا ضمیر خرید کر تم اسے ساتھ لے چلو گے تو اس کی مارکیٹ ویلیو تو ختم ہو چکی ہوگی اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا، شبیر احمد ایسا شخص نہیں جو تمہاری وزارت عظمیٰ سے مرعوب ہوتا ہو، اللہ کی رضا کیلئے جیتے ہیں اور اللہ کی رضا کیلئے مریں گے اس لئے حق کہنے سے کبھی باز نہیں آئیں گے" اس پر قائداعظم نے فرمایا ایسے علماء حق کی وجہ سے کائنات قائم ہے۔

(بشکریہ نوائے وقت دسمبر ۸۴ء)

مولانا ابو احمد نور محمد قادری تونسوی

عقیدۂ حیات النبی ﷺ اور حضرت عزیر علیہ السلام

(قسط ۲)

برسبیل تنزل: اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے اور وہ نبی اللہ تھے تو پھر بھی ان لوگوں کا اس واقعہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ قبر کا انکار کرنا اور ان کے سماع عند القبر کا انکار کرنا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اللہ جل شانہ نے اپنے پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام کو عارضی وفات کے بعد لوگوں کی نظروں سے ایسے مستور رکھا کہ پورے سو سال کے عرصہ میں اس دور کا کوئی آدمی ان کے پاس سے نہیں گذرا، اگر گذرا تو اس نے حضرت عزیر علیہ السلام کو دیکھا نہیں ورنہ یہ ناممکن ہے کہ لوگ مردہ شخص کی نعش کو دیکھیں اور ویسے ہی چھوڑ کر چلے جائیں اور اس کی تدفین کا کوئی انتظام نہ کریں، جبکہ تدفین میت کا مسئلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی کی شریعت میں برابر چلا آ رہا ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے پاس سے کوئی گذرا ہی نہیں اگر گذرا ہے تو اسے دیکھا نہیں، جب اللہ کے نبی کو دیکھنا ثابت ہی نہیں تو کس نے جا کر اللہ کے نبی کے جسد اطہر کو سلام کیا ہوگا، جب کسی نے سلام ہی نہیں کیا تو عدم سماع کیسے ثابت ہوگا، لہٰذا نہ وہاں سلام کیا گیا اور نہ عدم سماع ثابت ہوا نیز اس واقعہ سے الحیاۃ بعد الوفات کی نفی بھی نہیں ہوتی کیونکہ قرآن پاک کی پچاس سے زائد آیات اور سو سے زائد احادیث صحیحہ متواترہ سے حیات قبر ہر مردہ کیلئے ثابت ہے جس کی وجہ سے مردہ انسان کو رنج و راحت دکھ سکھ اور ثواب و عقاب کا احساس ہوتا ہے، لہٰذا اس واقعہ کو بنیاد بنا کر کتاب و سنت سے ثابت شدہ عقیدۂ حیاتِ قبر کی تردید کرنا کسی دانشمند کو زیب نہیں دیتا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کو وقت کا احساس نہ ہونا

منکرین حیاتِ قبر کے واعظین کا یہ کہنا کہ اگر حضرت عزیر علیہ السلام زندہ تھے تو انہیں وقت کا صحیح اندازہ کیوں نہ ہو سکا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ تو کتنا ٹھہرا؟ تو جواب دیا ایک دن یا بعض دن، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو تو سو سال یہاں ٹھہرا رہا۔ تو جواباً عرض ہے کہ وقت کے صحیح معلوم نہ ہونے کی وجہ سے عدم حیاۃ پر استدلال بالکل باطل ہے، حضرت عزیر علیہ السلام تو اس وقت موت کی وجہ سے عالم قبر برزخ میں تھے اور اس عالم کی حیاۃ ان کو حاصل تھی لیکن بعض اوقات عالم دنیا میں زندہ

رہنے والے انسانوں کو بھی وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا، دیکھئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: قال کم لبثتم فی الارض عدد سنین قالوا لبثنا یوما اوبعض یوم فسئل العادین قال ان لبثتم الا قلیلا (سورہ مومنون) ارشاد ہوگا کہ تم برسوں کے حساب سے کس قدر زمین پر رہے ہو گے، وہ جواب دیں گے کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے، سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے ارشاد ہوگا کہ تم تھوڑی ہی مدت رہے (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

دیکھئے اہل دنیا اپنی اپنی عمریں پوری کر کے دنیا سے رخصت ہوئے، کوئی ایک سال رہا کوئی پچاس سال رہا کوئی سو سال رہا یا اس سے کم وبیش رہا، اب ان دنیا میں رہنے والوں سے اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ تم دنیا میں کتنے عرصہ رہے تو وہ جواب دیتے ہیں ایک دن یا بعض دن، ظاہر ہے کہ ان کا یہ جواب ان کے غلط اندازے پر مبنی ہے وہ صحیح وقت کی مقدار نہیں بتا رہے کیا کوئی احمق یہاں سے یہ استدلال کرے گا کہ وہ دنیا میں زندہ تھے ہی نہیں بلکہ مردہ تھے، یقیناً وہ زندہ تھے البتہ کبھی عوارض کی وجہ سے وقت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکے، معلوم ہوا کہ زندہ بھی بعض اوقات وقت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے، پس حضرت عزیر علیہا السلام اپنے عالم قبر و برزخ میں زندہ تھے مگر وقت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے۔

ایک اور دلیل

اصحاب کہف غار میں مردہ نہیں تھے بلکہ زندہ سوئے ہوئے تھے قرآن کے الفاظ میں وتحسبھم ایقاظا وھم رقود (سورۃ کہف آیت ۱۸) اور ان زندہ سونے والوں کو بھی وقت کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا جب ان سے پوچھا گیا تو جواب دیا یوما اوبعض یوم "ایک دن یا دن کا کچھ حصہ" تو ثابت ہوا کہ وقت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکنے کی وجہ سے کسی کی عدم حیات پر استدلال کرنا سراسر باطل ہے بلکہ تلبیس ابلیس ہے۔

ایک اور الزامی جواب

عصر ہذا کے معتزلہ کے نزدیک روح نہیں مرتی بلکہ وہ زندہ رہتی ہے جب کسی کی روح نہیں مرتی تو حضرت عزیر علیہ السلام کی روح نہیں مری ہوگی اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرما کر پوچھا کہ تو کتنا ٹھہرا، ظاہر ہے کہ اس وقت روح ان کے جسد میں آ چکی تھی اب ہمیں بتایا جائے کہ روح تو زندہ رہی اسے وقت کا صحیح اندازہ کیوں نہ ہوسکا، اگر ان لوگوں کے استدلال کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ وقت کا پتہ نہ ہونے کی وجہ سے حیات کی نفی ہو جاتی ہے تو حضرت عزیر علیہ السلام کی روح کی حیات کی بھی نفی ہو جائے گی جبکہ یہ لوگ روح کو تو زندہ ہی مانتے ہیں اور اس کی موت کے قائل ہی نہیں۔

بندۂ عاجز کا مطالبہ

عصر ہٰذا کے معتزلہ چودھویں صدی کے آواخر کی پیداوار ہیں اور قرآن مجید کو اترے ہوئے چودہ سو سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے اس پورے عرصہ میں کسی مفسر، کسی محدث، کسی فقیہہ، کسی متکلم اور کسی عالم دین نے اس واقعہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات قبر کی نفی پر استدلال نہیں کیا، اگر کسی نے کیا ہے تو ہمیں اس کا نام بتایا جائے (دیدۂ باید) ظاہر ہے کہ چودہ سو سال کے عرصہ میں کسی عالم دین کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کی نفی معلوم نہیں ہوئی اور اب صرف ان کو معلوم ہوئی ہے، تو ان کے استدلال کے باطل ہونے کیلئے صرف یہی بات ہی کافی ہے۔

ان کے استدلال کے بطلان کی ایک اور دلیل

بندہ عاجز نے اکابر علماء اسلام کی کتابوں کو چھان کر پچاس سے زائد آیات قرآنیہ اور سو سے زائد احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت کیا ہے کہ مرنے کے بعد ہر مردے کو درجہ بدرجہ اور حسب حیثیت قبر و برزخ میں ایک خاص قسم کی حیاۃ حاصل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے مردہ انسان عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے البتہ یہ حیاۃ ہماری نظروں سے اللہ تعالیٰ نے مستور کر رکھی ہے تفصیل کیلئے بندہ عاجز کی کتاب "قبر کی زندگی" کا مطالعہ کیجئے۔

اگر ان لوگوں کے کشید کردہ مطلب کو درست مان لیا جائے تو ان کا یہ مطلب قرآن کریم کی ان پچاس سے زائد آیات کے خلاف ہوگا جن میں حیاۃ کا ثبوت ہے جبکہ مفسرین کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیۃ کا ایسا مطلب لینا جو دوسری آیات سے متصادم ہو خود باطل اور غلط ہے۔

اس واقعہ سے کیا ثابت ہوتا ہے

قارئین کرام مذکورہ بالا واقعہ سے درحقیقت یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ حضرات انبیاء کرام ہوں یا اولیاء عظام وہ عالم الغیب نہیں ہوتے کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، حضرت عزیر علیہ السلام اور تمام انبیاء کرام اسی طرح اصحاب کہف اور تمام اولیاء عظام عالم الغیب نہ تھے، اسی لئے انہیں وقت کا اندازہ نہ ہو سکا، اور یہی عقیدہ جا بجا قرآن مجید میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ موجود ہے، پس ثابت ہوا کہ اس واقعہ سے عدم حیاۃ قبر ثابت نہیں بلکہ عدم علم غیب ثابت ہے۔

مولوی عابد محمود حقانی

اسم مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم

فضائل و مناقب اور خصوصیات (قسط ۵)

آپ کے بعد پہلا احمد نامی شخص

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جس شخص کا نام احمد رکھا گیا وہ حضرت جعفر ابن ابو طالب کے بیٹے ہیں (اس سے پہلے زین العراقی کا قول گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کے زمانے میں بھی کسی شخص کا یہ نام نہیں رکھا گیا)

ایک قول یہ بھی ہے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جس کا نام احمد رکھا گیا وہ) خلیل کے والد ہیں، غالباً یہاں خلیل سے مراد خلیل ابن احمد ہیں جو علم عروض یعنی شعروں کے وزن کے مشہور عالم ہیں، میں نے اس کی تصدیق کیلئے زین العراقی کی کتاب دیکھی جنہوں نے (خلیل کی وضاحت کرتے ہوئے) کہا ہے کہ اسلام میں پہلا آدمی جس کا نام احمد رکھا گیا وہ علم عروض کے ماہر خلیل ابن احمد کے والد (احمد) ہیں۔

علامہ عراقی کے اس قول میں اور اُس قول میں مخالفت ہے کہ صحابہ کے زمانے میں بھی کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا، اُدھر خود اس قول میں بھی اشکال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے احمد نام خلیل ابن احمد کے والد کا رکھا گیا، کیونکہ ایک قول یہ بھی گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت جعفر ابن ابو طالب کے بیٹے کا نام احمد رکھا گیا، اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ عراقی کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہوگا (کہ سب سے پہلے حضرت جعفر کے بیٹے کا نام احمد رکھا گیا) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ سے مراد عراقی کے نزدیک وہ صحابہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زندہ رہے، اس طرح حضرت جعفر کے بیٹے کا نام احمد رکھا جانا قابل اعتراض نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت جعفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی شہید ہو گئے تھے (اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے صحابہ کے زمانے میں بھی کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زندہ رہے ہوں) یہ خلیل ابن احمد جو ہیں (جن کے والد کا نام سب سے پہلے احمد رکھا گیا) اپنے باپ کے پانچ بیٹوں میں سے ایک ہیں یا چھ بیٹوں میں سے ایک ہیں اور ان میں سے ہر ایک خلیل ابن احمد کہلاتا تھا (سیرت حلبیہ ص ۲۶۴ ج ۱)

تاریخ اسم محمد

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک ہزار سال قبل یہ نام رکھا گیا، دوسری روایت میں آتا ہے کہ دو ہزار سال قبل رکھا گیا، اور ایک تیسری روایت کے مطابق ۹ لاکھ برس قبل رکھا گیا۔ اسم محمد کی تاریخ اگرچہ خدا تعالیٰ کو ہی معلوم ہے مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کے چھ چھ صدیوں پر محیط ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ علیہ السلام نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ اپنی عمر کا تو مجھے علم نہیں ہے لیکن اس بات کا شاہد ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک ایسا ستارہ ہے جس کو میں دیکھتا ہوں اور وہ ستر ہزار سال کے بعد طلوع ہوتا ہے اور میں نے اس کو (یعنی ستارہ کو) بہتر ہزار سال تک مسلسل طلوع ہوتے دیکھا، حضور اقدس علیہ السلام نے فرمایا، مجھے اپنے رب کی قسم وہ ستارہ میں ہی تھا تو گویا "اسم محمد" ستارہ کی صورت میں پانچ ارب چالیس کروڑ سال قبل بھی کائنات کو منور اور روشن کرتا رہا (صدائے محراب ص ۷۰ ج ۱)

اگر دیکھا جائے تو اس کی تائید "انجیل برنباس" کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا کافی عرصہ تک معافی مانگتے رہے مگر توبہ قبول نہ ہوئی تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا اللھم انی اسئلك بحق محمد تو اللہ رب العزت نے فرمایا کیف عرفت محمد کیونکہ وہ تو ابھی دنیا میں نہیں آئے تو حضرت آدم نے جواب دیا کہ اے پروردگار عالم جب تو نے میرے وجود میں روح ڈالی تھی تو میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ کلمہ لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میرے دل نے گواہی دی کہ یہ شخصیت سب سے زیادہ مقرب خدا ہے، جس کا نام نامی خدائے وحدہ لاشریک کے نام کے ساتھ مرصع ہے (رض ۱۷۴) (جاری)

.....

چودھری الیکٹرک سٹور
مین بازار ساہیوال سرگودھا
ہمارے ہاں سامان بجلی وسلائی مشین بازارے بارعایت دستیاب ہے، نیز الیکٹریشن کی سہولت بھی موجود ہے۔
پروپرائٹر: محمد لطیف چودھری فون: 048-6786637

قاری محمد زکریا زکی سیالکوٹ

کیا چیز ہے رات؟

انسان کی زندگی میں جتنے دن ہوتے ہیں اتنی ہی راتیں ہوتی ہیں، یوں انسان کی نصف زندگی روشنی میں گذرتی ہے اور نصف اندھیرے میں، رات آتی ہے اور محنت کے زخموں سے چور جسموں کو نیند کی مرہم عطا کرنے کیلئے، انسان کیلئے دھوپ سے تپتے صحرا میں نخلستان کی راحت رات کے دم سے ہے۔ رات اپنے پرسرار دامن میں بے پناہ خزانے سمیٹ کر لاتی ہے جنہیں وہ اہل دل حضرات کی خدمت میں پیش کرتی ہے، سونے والوں کو رات لوری دیتی ہے، جاگنے والوں کی حدی خواں ہے، رات عجب راز ہے، یہ راز سب پر آشکار نہیں ہوتا، رات انکشاف زمان ومکاں کرتی ہے، رات کو وقت کے لامحدود فاصلے سمٹ جاتے ہیں، رات کے پاس بڑے طلسمات ہوتے ہیں، یہ کبھی لمحے کو صدیاں بنا دیتی ہے کبھی صدیوں کو ایک لمحہ، رات کے پاس وہ قوت ہے کہ یہ ازل اور ابد کو بیک وقت ایک نقطے پر اکٹھا کر دیتی ہے، رات کو جاگنے والے ماضی، حال اور مستقبل سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

رات کا عالم عجیب عالم ہے، خاموشی گویا ہوتی ہے سکوت نغمہ سرا ہوتا ہے، سناٹے بولتے ہیں، ہم کلام ہوتے ہیں، آئینوں سے عکس آئینہ باہر نکلتا ہے اور صحرائے تشنہ لبی قلزم رحمت سے ہم کنار ہوتا ہوا سیراب ہوتا ہے، سرشار ہوتا ہے۔ رات کی نوازشات کے قصے اہل دل اور اہل باطن کی زندگی کا اثاثہ ہیں، رات کی تنہائی سے انسان کی آنکھ سے ٹپکنے والے آنسو زمانے بدل دیتے ہیں، طوفانوں کا رخ موڑ دیتے ہیں، آہ وفغاں نیم شب کے سامنے کوئی مشکل مقام نہیں رہتا، ہر نا ممکن ممکن ہو جاتا ہے۔

انسان رات کے عالم میں کائنات کے بہت قریب ہوتا ہے، وہ کائنات سے واصل ہوتا ہے، وہ ذرے ذرے کے ساتھ شامل ہوتا ہے، وہ ہر ستارے کی جھلملاہٹ سے جلتا بجھتا رہتا ہے، وہ چاند دیکھتا ہے اور چاندنی سے کھیلتا ہے، وہ اداس موسم کا خوشگوار پھل حاصل کرتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ کروڑوں ستارے پاس پاس نظر آتے ہیں، یہی کائنات کا حسن ہے اور یہی اس کی بقا کا راز، لیکن انسان کی دنیا اور اس کا راز بقا الگ ہے، یہاں اپنا مدار اپنا نہیں ہوتا، اپنی ذات اپنی نہیں ہوتی، پھر کچھ بھی تو اپنا نہیں ہوتا۔ کسی کا کہا ہوا کسی اور کا علم ہے، ایک چہرہ دوسرے کی تمنا ہے، دل اپنا ہوتا ہے اور اس میں درد کسی اور کا ہوتا ہے، یاد کسی کی ہوتی ہے سرمایۂ حیات کسی اور کا، انسان کی کائنات تو یہ ہے کہ

اس کی کمائی بھی اس کی اپنی نہیں، اس کی ذات بھی اس کی اپنی نہیں ہوتی، اس کی خلوت بھی اس کی اپنی نہیں، اس کی جلوت بھی اپنی نہیں، جبین شوق اس کی ہے سنگ در کسی اور کا، دل اس کا دلبری کسی اور کی، آنسو اس کے ہیں عاقبت کسی اور کی، رتجگے کسی کے، چراغ کسی کے، انسانی کائنات مربوط ہے۔

رات انسان پر نزول افگار کا ذریعہ ہے، رات کی عبادت افضل عبادت ہے، جس کی رات بیدار ہو جائے اس کا نصیب جاگ اٹھتا ہے، رات انسان کا لباس ہے، انسان پہ تیرگی کا لباس ہر لباس کو یکساں کر دیتا ہے۔ رات کو روح کے حجابات اٹھتے ہیں، انسان کی روح رات کو انسان سے ہم کلام ہوتی ہے، رات بہت بڑا راز ہے، صحرا کے مسافر پہ جب رات اترتی ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ کون اس خوبصورت کائنات کو بنانے والا ہے، اتنی بڑی تنہائی میں انسان رات سے باتیں کرتا ہے، رات سنتی ہے اور خاموش رہتی ہے، یہ عمل جاری رہتا ہے اور پھر یکا یک رات بولتی ہے اور انسان سنتا ہے۔

رات خود کسی معصوم کی روح ہے، کائنات پہ محیط روح ہے، انسان سے ہم کلام ہونے کیلئے بیتاب روح انسان کو پکارتی ہے، نیند میں ڈوبے ہوئے انسان کو جگانے والی رات پکارتی ہے کہ اے غافل! سن، میں بول رہی ہوں، دیکھ، میں جلوہ آرا ہوں، محسوس کر، میں تیرے قریب ہوں، بہت قریب اور نیند میں تو مجھ سے دور ہے۔ رات کا عجب اعجاز ہے کہ انسان پر دعاء اور دعاء کی مقبولیت کا راز منکشف ہوتا ہے، رات کے پاس بڑے خزانے ہیں، بیدار راتیں قوموں کے روشن مستقبل کی ضامن ہیں، انسان پر عرفان ذات کی منزلیں آسان کرنے کا دعویٰ ہے رات کے پاس، رات کو خوش نصیبوں کی آنکھ تر ہو جاتی ہے اور ان کا دل معمور ہوتا ہے۔

رات انسان کے عروج کا قصہ ہے، سکوت دو جہاں میں انسان کی فغاں یکین لامکاں کے حضور پہنچتی ہے۔ اور پھر یہ رات لیلۃ القدر بن کر انسان کے مقدر کو بنا دیتی ہے، رات کو شاعر صرف جاگتا ہے باقی کام رات خود کرتی ہے، فقیر بیدار ہوتا ہے فقر خود نازل ہوتا ہے، رات کو سجدہ گاہ جلوہ گاہ بنتی ہے، بگڑی سنور جاتی ہے، احسان ہے اللہ خلاق عالم کا ان لوگوں پر جن کو بیدار راتوں کا نصیب ملتا ہے، یقین و ایمان والے انسان کے آنسو ستاروں سے زیادہ روشن اور شبنم سے زیادہ پاکیزہ ہوتے ہیں، انہی اشکوں کے دم سے آباد ہے یہ دنیا ساری۔

خواتین کا صفحہ قاری محمد زکریا زکی سیالکوٹ

شوہر اور بیوی

نکاح مرد اور عورت کی اس جائز اور علانیہ وابستگی کا نام ہے جسے اسلامی معاشرہ قبول کرتا ہے، مذاہب عالم میں اسلام کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس نے اس رشتے کو تقدس عطا فرمایا، اللہ رب العزت نے نکاح کے بندھن کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے پیدا کیں تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں تا کہ تم سکون حاصل کرو ان کے پاس، اور پیدا کر دی اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (سورۃ الروم آیت نمبر ۲۱)

نکاح کے بعد مرد اور عورت کی زندگیوں میں سکون، قرار، آسودگی اور توازن کی کیفیت پیدا ہو جانی چاہئے، تاہم اس کا انحصار زوجین کے باہمی رویوں پر ہے، نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نسل انسانی کی صحیح تربیت اور پرورش کا دارومدار بھی اس پر ہے کہ گھر کے اندر کی فضا پر سکون ہو اور ماں باپ کے باہمی تعلقات کسی قسم کے کھچاؤ کا شکار نہ ہوں، جہاں تک گھر کے اندرونی ماحول کی درستگی، اصلاح اور سکون کا تعلق ہے تو اس معاملہ میں عورت کا کردار مرد کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے اور اولاد پر جس درجہ ماں اثر انداز ہوتی ہے باپ کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ باپ معاشی ذمہ داریوں کی ادائیگی کیلئے دن بھر گھر سے باہر ہوتا ہے جبکہ ماں بالعموم گھر میں بچوں کے ساتھ ہی ہوتی ہے، اگر عورت کے رویے میں شوہر کی فرمانبرداری اور شکر گذاری کا جذبہ ہو اور مرد کے رویے میں بیوی کے ساتھ حسن سلوک موجود ہو تو گھر کا ماحول کبھی بھی خراب نہیں ہو سکتا اور بچوں کی تربیت بھی بہترین ماحول میں ہو سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین بیوی وہ ہے جس کی طرف تو دیکھے تو تجھے خوش کر دے اور جب تو کسی بات کا حکم دے تو فوراً بجالائے اور تیری عدم موجودگی میں تیرے مال اور اپنی ذات کی حفاظت کرے اور قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے فالصٰلحٰت قٰنتٰت نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو عورت پانچ وقت کی نمازیں ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے اس سے قیامت کے

روز کہا جائے گا جنت کے دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے آگ دیکھی اور آج جیسا ہولناک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا، دوزخ میں میں نے عورتوں کو دیکھا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کی ناشکری کی وجہ سے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ وہ اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اور ان کا احسان نہیں مانتیں، عورتوں کا حال یہ ہے کہ اگر عمر بھر تم ان کے ساتھ احسان کرتے رہو پھر تمہاری طرف سے کوئی معمولی سی تکلیف بھی انہیں آ جائے تو کہیں گی میں نے تجھ سے کبھی سکون پایا ہی نہیں (رواہ البخاری)

.....

حضرات علماء کرام، طلباء وخطباء کیلئے عظیم خوشخبری

بارہ مہینوں کے فضائل واحکام

مع جدید اضافات دلکش انداز میں

مجموعہ رسائل

فقیہ ملت حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی سابق مفتی خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون (انڈیا)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

فقیہ ملت حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی اور فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہما کی عظیم کتاب ''بارہ مہینوں کے فضائل واحکام'' جو ہر گھر، کتب خانہ اور ہر عالم وخطیب کی ضرورت ہے پہلی مرتبہ نہایت معیاری کتابت، اعلیٰ طباعت اور جدید اضافات کے ساتھ منظر عام پر آ رہی ہے۔ علماء کرام، طلباء اور خطباء کیلئے خصوصی رعایت، شائقین حضرات اولین فرصت میں اپنے آرڈر بک کرائیں۔

ناشر

مکتبہ گریمیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

یادرفتگاں حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جام پور

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ تعالیٰ

فقیہ العصر شیخ کامل حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ صدر مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان بھی رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پاکستان میں آپ کا شمار چند عظیم فقہاء اسلام میں ہوتا تھا، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی، حضرت مولانا مفتی عبدالقادر اور حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمہم اللہ ایسے جید علماء فقہاء میں سے تھے جن پر ہر طبقہ کے عوام وخواص مکمل اعتماد کرتے تھے، ان حضرات کے فتاویٰ سند کی حیثیت رکھتے تھے، آہ! آج یہ عظیم مسندیں خالی نظر آرہی ہیں۔ حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ کی رحلت عالم اسلام کا عظیم سانحہ ہے اور ہزاروں علماء اور متعلقین اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے ہیں، وہ ایک عظیم محدث، فقیہ اور عارف تھے، متبع سنت، متواضع اور منکسر المزاج تھے، علم وعمل کا مجسمہ اور خلوص وللہیت کا پیکر تھے۔

آپ ۱۹۳۰ء میں سمندری ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم فیصل آباد میں حضرت مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیلی رحمہ اللہ کے زیر سایہ حاصل کی، پھر ثانوی تعلیم کیلئے جامعہ خیر المدارس ملتان تشریف لائے جہاں حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ اور دیگر جید علماء سے تعلیم حاصل کی، دورۂ حدیث کی کتابیں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی، علامہ سید محمد یوسف بنوری اور مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہم اللہ سے پڑھیں اور سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے حکم سے جامعہ خیر المدارس ملتان میں درس وتدریس اور افتاء کی خدمت پر مامور ہوئے، پھر اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں اور بعد ازاں استاذ الحدیث اور صدر مفتی کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے، آپ کے ہزاروں تلامذہ ملک وبیرون ملک دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

آپ نے سلوک وتصوف میں بھی اعلیٰ مقام حاصل کیا، سب سے پہلے حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، پھر حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ سے

بیعت کا شرف حاصل ہوا، بعد ازاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، مولانا قاری فتح محمد پانی پتی اور مولانا علی مرتضیٰ ڈیروی رحمہم اللہ جیسے اکابر علماء ومشائخ کی طرف سے اجازت وخلافت کے اعزازات حاصل کئے اور خود بھی ایک شیخ کامل ثابت ہوئے، ہزاروں کی اصلاح کی اور ہزاروں مریدین اور متعدد خلفاء نے تربیت واصلاح کی منازل آپ سے طے کیں، آپ نے درس وتدریس اور خدمت افتاء کے علاوہ تصنیف وتالیف کی خدمات بھی انجام دیں اور متعدد اعلیٰ درجہ کی تصانیف آپ کے قلم سے منظر عام پر آئیں۔ بہر حال آپ زندگی بھر تعلیم وتدریس، خدمت افتاء اور اصلاح وارشاد میں مصروف رہے، ملک بھر کے شہروں میں آپ کے اصلاحی بیانات ہوتے رہے جن سے ہزاروں افراد کی کایا پلٹ گئی اور وہ دیندار بن گئے، یہاں جام پور میں بھی آپ تشریف لائے اور مرکز تبلیغ مجلس صیانۃ المسلمین جامع مسجد عثمانیہ میں آپ کا اصلاحی بیان ہوا، آپ بے حد شفیق استاذ اور مرشد کامل تھے، اخلاق واوصاف میں سلف صالحین کا نمونہ تھے، جامعہ خیر المدارس ملتان سے پچپن سال وابستہ رہے اور دینی، علمی، تدریسی، تصنیفی، تبلیغی واصلاحی خدمات میں مصروف رہے۔

آپ نے ۹ جولائی ۲۰۰۶ء بمطابق ۱۲ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ کو رحلت فرمائی، ہزاروں عقیدتمندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور جامعہ خیر المدارس کے نزدیکی قبرستان منظور آباد میں تدفین ہوئی، حق تعالیٰ شانہ آپ کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

.....

عذاب سے حفاظت کی دعا

جو شخص صبح وشام اس دعا کو پڑھے وہ قیامت کے دن عذاب سے محفوظ رہے گا۔

سُبْحَانَ الْاَبَدِیِّ الْاَبَدِ، سُبْحَانَ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ، سُبْحَانَ الْفَرْدِ الصَّمَدِ، سُبْحَانَ رَافِعِ السَّمَآءِ بِلَاعَمَدٍ، سُبْحَانَ مَنْ بَسَطَ الْاَرْضَ عَلٰی مَآءٍ جَمَدٍ، سُبْحَانَ مَنْ خَلَقَ الْخَلْقَ فَاَحْصَاهُمْ عَدَدًا، سُبْحَانَ مَنْ قَسَمَ الرِّزْقَ وَلَمْ یَنْسَ اَحَدًا، سُبْحَانَ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا، سُبْحَانَ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ، وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

(فتاویٰ شامی ص ۳۸ ج ۱ طبع کوئٹہ) مرسلہ: مولوی محمد صلاح الدین بہاولپور

الاستفتاء

بیوی کو بحالت غصہ کہنا ''میں نے تجھے چھوڑ دیا، چلی جا''

مرد عورت کا گھریلو معاملات پر لڑائی جھگڑا ہوا، عین لڑائی کی حالت میں اپنی عورت کو کہا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا، چلی جا، صرف ایک دفعہ یہ لفظ کہا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں مرد مذکور نے اپنی عورت کو دو لفظ حالت غصہ میں کہے حسب بیان سائل ایک لفظ چھوڑ دیا، دوسرا لفظ چلی جا، لفظ اول چونکہ عرف ومحاورہ میں جب عورت کیلئے بولا جائے تو اس کے معنی طلاق کے ہی ہوتے ہیں اس لئے یہ لفظ طلاق کیلئے صریح ہوگیا (وان کان بحسب اللغة کنایة لانه بمعنی سرّحت) اس لئے اس لفظ سے ایک طلاق واقع ہوگئی اور چونکہ یہ صریح لفظ ہے لہٰذا طلاق رجعی واقع ہوگئی، دوسرا لفظ چلی جا ترجمہ اذھبی کا ہے جو کنایات میں سے ہے اور نیت طلاق سے اس لفظ کے کہنے پر طلاق بائن ہوتی ہے مگر سائل نیت طلاق کا انکار کرتا ہے اور مذاکرہ طلاق میں بھی اس لفظ کے ساتھ طلاق واقع ہونے کیلئے نیت کی ضرورت ہے، بغیر نیت کے اس لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی کما فی الدر المختار، لہٰذا بر تقدیر صحت بیان سائل اس کی عورت پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اس لئے وہ عدت کے اندر اندر اپنی عورت کو روک لینے اور اس سے رجوع کر لینے کا اختیار رکھتا ہے اور عدت گذر جانے کے بعد نکاح ختم ہو کر بھی دوسری مرتبہ نکاح کرنا جائز ہوگا، ھکذا فی کتب الفقه واللّٰه اعلم ۳ر صفر ۸۱ھ

بیوی کو کہنا کہ ''میرا تجھ سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں''

گذارش ہے کہ مسماۃ فضیلت بیوہ قبول ذات راجپوت حال میانوالی کے ساتھ میرا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے نہ ہی میرا اس کے ساتھ نکاح ہے جیسا کہ میں نے عدالت میں حلفی بیان دے کر کاپی پولیس سٹی کے حوالہ کردی ہے۔

الجواب

اگر مہربان کا نکاح مسماۃ فضیلت کے ساتھ ہو چکا تھا پھر اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق کے

ذکراذکار کے موقع پر یہ لفظ کہے کہ ''میرا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں'' تو اس کہنے سے طلاق بائنہ پڑ کر نکاح ٹوٹ جاتا ہے اگر چہ کہنے والے کی نیت طلاق دینے کی بھی نہ ہو، واللہ اعلم۔

۱۶ر جمادی الاخریٰ ۸۱ھ

اپنی بیوی کو دو دفعہ کہا میں نے تم کو چھوڑا

فدوی کے لڑکے محمد یوسف ولد عبدالمجید قوم بلوچ سکنہ عینی نے اپنی عورت کے ساتھ جھگڑتے ہوئے کہا کہ جاؤ میں نے تم کو چھوڑا، دو دفعہ الفاظ کہے، لڑکا بیان کرتا ہے کہ مجھے اس چیز کا علم نہ تھا کہ آیا اس طرح نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ (خلاصہ سوال)

الجواب

محمد یوسف ولد عبدالمجید قوم بلوچ سکنہ عینی نے جب اپنی عورت کو وہ الفاظ کہے جن کا ذکر پشت صفحہ لہٰذا پر ہے تو اس کی عورت پر دو طلاق واقع ہوگئی، کیونکہ جب اپنی عورت منکوحہ کو کوئی شخص ''چھوڑا'' کہتا ہے تو وہ طلاق کے معنی میں استعمال کرتا ہے، لہٰذا یہ لفظ میرے نزدیک صریح طلاق کا لفظ ہے، لہٰذا جب دو مرتبہ یہ لفظ کہا تو دو صریح طلاق کا وقوع ہوگیا مگر یہ طلاق رجعی ہوں گی، لہٰذا عدت کے اندر بغیر نکاح کے اپنی عورت کو رکھ سکتا ہے اور عدت گذرنے پر دوبارہ نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ عورت بھی دوبارہ نکاح پر راضی ہو، یہ حکم اس وقت ہے جبکہ یہ الفاظ صرف دو مرتبہ کہے ہوں، اور اگر تین مرتبہ کہے ہوں تو پھر نکاح ٹوٹ جائے گا اور دوسری مرتبہ نکاح کیلئے حلالہ کی ضرورت ہوگی۔

اس ملک کے بعض علماء چونکہ اس لفظ ''چھوڑا'' کو کنایہ کا لفظ سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ایک طلاق بائن واقع ہوگی مگر دوبارہ بغیر حلالہ کے نکاح ہو سکے گا، لہٰذا احتیاط یہی ہے کہ محمد یوسف کا نکاح دوبارہ پڑھا دیا جائے۔

لفظ ''جاؤ'' سے طلاق واقع ہونے کیلئے بہر صورت نیت طلاق کی ضرورت ہے اور محمد یوسف کی نیت طلاق کی معلوم ہوتی نہیں لہٰذا اس لفظ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

یہ سب جواب اس شکل میں ہے جبکہ سائل کا بیان صحیح ہو، اگر سائل کے بیان میں غلطی ہو تو اس کا وہ خود ذمہ دار ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۲۲ر شوال ۸۱ھ

تعارف وتبصرہ

ٹی وی نے کیا رنگ دکھائے شرم وحیا کے جنازے اٹھائے
ٹی وی کا ہی یار وا ثر ہے ہر بیٹی کا ننگا سر ہے

نام کتاب: ٹی وی نے کیا کیا رنگ دکھائے صفحات: ۲۷۲

مؤلف: حافظ محمد صابر صفدر صاحب رئیس مدرسہ اقرأ سرگودھا

ناشر: مکتبہ حسن حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

کسی شدید بیماری کا انتہائی خطرناک درجہ یہ ہوتا ہے کہ بیمار اس کو بیماری سمجھنے سے انکار کر دے اور علاج سے بالکلیہ غافل ہو جائے، یہ ضابطہ جیسے جسمانی بیماریوں میں مسلم ہے اسی طرح روحانی امراض میں بھی بالکل سچا ہے، ہمارے معاشرے میں چاروں طرف مختلف منکرات کا دور دورہ ہے جس کی وجہ سے ان کا گناہ ہونا ہی دلوں سے نکلتا جارہا ہے، انہی وباء کی طرح پھیلے ہوئے گناہوں میں ایک گناہ بلکہ دسیوں گناہوں کا مجموعہ ٹی وی دیکھنا بھی ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ اب اہل علم اور اصحاب منبر ومحراب نے اس گناہِ عظیم کی بہتات سے متاثر ہو کر اس کے بارے میں کچھ کہنا سننا بھی چھوڑ دیا ہے۔

ٹی وی سے متعلق مختلف اہل فکر ونظر کے بیانات تو چھپے ہوئے ملتے تھے لیکن اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب جس میں اس کے تمام پہلوؤں پر مفصل بحث ہو دستیاب نہ تھی، جناب حافظ صاحب زید فضلہم نے یہ کتاب لکھ کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے فجزاہ اللہ تعالی عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

نیز اس کتاب کو ملک کے نامور اہل علم وفقہ نے بھی ملاحظہ فرما کر اس پر کلمات بابرکات ثبت فرمائے ہیں جن میں فقیہ العصر حضرت اقدس مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ، عظیم اسلامی اسکالر حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی، علامہ خالد محمود ومروصاحب اور ہفت روزہ ضرب مومن کے معروف کالم نگار مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری کے اسماء سرفہرست ہیں۔

بحمداللہ اب تک اس کتاب کے تقریباً نو (9) ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جو کہ اس کتاب کی مقبولیت کا واضح ثبوت ہے۔ (مولوی محمد علی اسعد)

سید عبدالناصر ترمذی

اخبار الجامعہ

۳ر جمادی الثانیہ کو حضرت صدر جامعہ جھنگ تشریف لے گئے اور جامع مسجد اشرفیہ میں بیان فرمایا۔

۴ر جمادی الثانیہ صاحبزادہ مولانا فضل الرحمٰن درخواستی صاحب جامعہ میں تشریف لائے اور طلبہ سے خطاب فرمایا۔

۵ر جمادی الثانیہ حضرت صدر جامعہ نے مرکز مجلس حمایۃ المسلمین لاہور میں منعقدہ جلسہ میں بیان فرمایا بعد ازاں طلبہ کی دستار بندی فرمائی۔

۸ر جمادی الثانیہ حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہم العالی کے فرزند ارجمند صاحبزادہ مولانا خلیل احمد مع دیگر رفقاء حضرت صدر جامعہ کی والدہ ماجدہ رحمہا اللہ کی تعزیت کے سلسلہ میں جامعہ میں تشریف لائے۔

۱۲ر جمادی الثانیہ صدر جامعہ حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی عبدالستار رحمہ اللہ کے جنازہ میں شرکت کیلئے ملتان تشریف لے گئے۔

۱۵ر جمادی الثانیہ حضرت مولانا محمد اجمل مدظلہم نے جامعہ میں بعد عصر اصلاحی بیان فرمایا۔

۲۴ر جمادی الثانیہ حضرت صدر جامعہ فیصل آباد تشریف لے گئے جمعہ جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں پڑھایا، بعد مغرب مدرسہ تعلیم الاسلام کے جلسہ ختم بخاری شریف میں بیان فرمایا۔

۲۶ر جمادی الثانیہ عارف باللہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہم نے بعد عصر جامعہ میں اصلاحی بیان فرمایا۔